

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا کا ترجمان

مدیر
مولانا محمد الیاس گھمن

فقیہ
سرگودھا
ماہنامہ

شمارہ 9

ستمبر 2015

جلد نمبر 4

اسلام کا اقتصادی نظام

کیا تعویذ پہننا شرک ہے؟



● کیا مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ ہے؟



7 ستمبر 1974ء پاکستانی پارلیمنٹ

کا تاریخ ساز فیصلہ

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

www.ahnafmedia.com



مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا کا ترجمان



شمارہ نمبر 9

ستمبر 2015

جلد نمبر 4

معاون مدیر

مولانا
محمد کلیم اللہ حنفی

مدیر

مولانا
محمد الیاس گھمن

خط و کتابت کا پتہ

بیرون ممالک

دفتر رسائل و جرائد
مرکز اہل السنۃ والجماعت
87 جنوبی سرگودھا

mag@ahnafmedia.com

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر سالانہ

آن لائن پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے

www.ahnafmedia.com

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

سالانہ 300 روپے
زرتعاون

سرکولیشن مینیجر

0332-6311808

صبح 8 تا 4 بجے شام

WhatsApp

+923062251253

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا

فہرست

7 ستمبر 1974ء پاکستانی پارلیمنٹ کا تاریخ ساز فیصلہ _____ 3

اداریہ

جج..... ایک عاشقانہ سفر!!! _____ 5

مولانا خورشید عالم رحمۃ اللہ علیہ

اسلام کا اقتصادی نظام _____ 12

مفتی محمد عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ

دینی مدراس میں قواعد فقہ کی تعلیم _____ 20

مولانا اشتیاق احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

رشوت کا گناہ _____ 31

مفتی محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

کیا مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ ہے؟ _____ 38

مولانا محمد مبشر بدر رحمۃ اللہ علیہ

کم علمی اور جہالت _____ 42

مولانا محب اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ

کیا تعویذ پہننا شرک ہے؟ _____ 47

مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

عربی خطبہ جمعہ مقامی زبان میں _____ 51

مولانا محمد نواز الحدادی رحمۃ اللہ علیہ

7 ستمبر 1974ء

پاکستانی پارلیمنٹ کا تاریخ ساز فیصلہ

اداریہ

یاد کیجیے وہ دن جب نشر کالج کے طلبہ کا ایک گروپ ”شمالی علاقہ جات“ کی سیر و تفریح کی غرض سے ملتان سے پشاور جانے والی گاڑی چناب ایکسپریس کے ذریعہ روانہ ہوا۔ گاڑی ربوہ (چناب نگر) پہنچی تو مرزائیوں نے گاڑی میں مرزا قادیانی کا کفر والحاد پر مشتمل لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا جس سے طلبہ اور قادیانیوں میں جھڑپ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ 29 مئی 1974ء کو طلبہ چناب ایکسپریس کے ذریعے واپس آرہے تھے کہ گاڑی ربوہ ریلوے سٹیشن پر پہنچی تو قادیانیوں نے طلبہ پر حملہ کر دیا اور اتنا تشدد کیا کہ وہ خون میں نہا گئے جب گاڑی فیصل آباد پہنچی اور عوام نے نبی محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کو اس زخمی حالت میں دیکھا تو وہ برداشت نہ کر سکے اور قادیانیت کی اسلام دشمنی اور وطن غداری کی خلاف تحریک جو کافی عرصے سے جاری و ساری تھی وہ شعلہ جوالہ بن گئی۔

بالآخر 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر منکرین ختم نبوت (مرزائی، قادیانی اور لاہوری گروپ) کو آئینی سطح پر خارج از اسلام قرار دیا اور 1984ء میں جنرل محمد ضیاء الحق شہید نے حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ کی قیادت میں قائم کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے مطالبات منظور کرتے ہوئے قانون امتناع قادیانیت جاری کر کے مرزائیوں کو شعائر اسلامی اور اسلامی اصطلاحات

استعمال کرنے سے روک دیا۔

چونکہ پاکستان اسلامی نظریاتی جمہوری مملکت ہے اس لیے اس میں اساسیات دین اور عقائد اسلامیہ کا تحفظ ناگزیر عمل ہے اور مسلم اکثریت آبادی کے تحت اس کا جمہوری حق ہے۔ آج بھی اراکین پارلیمنٹ آئین کے تقاضوں کے تحت ملک سے مذہب اسلام کے نام پر پائی جانے والی منافرت اور بد امنی کا سنجیدہ حل تلاش کریں۔ دین و ملت اور وطن کے غدار باغی دشمنوں کو بے نقاب کر کے سر زمین پاک کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کریں۔

اس حوالے سے ملک کی نامور علمی، مذہبی، سیاسی و سماجی شخصیات کی باہمی مشاورت سے فرقہ واریت کے اسباب اور اس کی ممکنہ روک تھام کے لیے تجاویز و آراء پر غور کر کے تمام وسائل و اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے مضبوط لائحہ عمل اختیار کیا جائے اور اس کو نافذ العمل قرار دیا جائے۔

7 ستمبر 1974ء جیسے تاریخ ساز فیصلے کی طرح پاکستان کے عوام اپنے معزز اراکین پارلیمنٹ سے مزید اس جیسے اہم فیصلوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ تاکہ وطن عزیز کے باشندے امن و آشتی سے احکامات اسلامیہ پر عمل کریں اور فرقہ وارانہ پریشانیوں سے بے نیاز ہو کر ملکی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کر سکیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ملک دشمن عناصر کو قانون کے کٹہرے میں لا کر قرار واقعی سزائیں دی جائیں جو دنگا فساد، قتل و غارت گری، لوٹ مار اور جنسی جرائم کے مرتکب ہو کر وطن عزیز میں خوف و ہراس پھیلا رہے ہیں اور دہشت زدہ کر رہے ہیں۔ تاکہ آئندہ پاکستان میں قصور سائے جیسے دیگر المناک واقعات رونما نہ ہو سکے۔ اور وطن پر جگ ہنسائی کا موقع کسی کو نہ مل سکے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

حج..... ایک عاشقانہ سفر!!!

کھ..... مولانا خورشید عالم رحمہ اللہ

حج کی فرضیت:

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ حج کی فرضیت قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت سے ایسے ہی ثابت ہے جیسا کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے؛ اس لیے جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ" (سورہ آل عمران، آیت: 97) ترجمہ: "اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے، یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی اور جو شخص منکر ہو؛ تو اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے غنی ہیں۔"

یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت کے حوالے سے نص قطعی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں ارکان کو ایک حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے۔ "بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلَاةِ، وَاِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ." (بخاری شریف) ترجمہ: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

ایک عاشقانہ سفر:

انسانی طبیعت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ انسان اپنے وطن، اہل و عیال، دوست و رشتہ دار اور مال و دولت سے انسیت و محبت رکھے اور ان کے قریب رہے۔ جب آدمی حج کے لیے جاتا ہے؛ تو اسے اپنے وطن اور بیوی و بچے اور رشتے دار و اقارب کو چھوڑ کر اور مال و دولت خرچ کر کے جانا پڑتا ہے۔ یہ سب اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ حج کی ادائیگی شریعت کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے حج کے حوالے سے بہت ہی رغبت دلائی ہے، انسان کو کعبہ مشرفہ کے حج و زیارت پر ابھارا، مہبط وحی و رسالت کی دیدار کا شوق بھی دلایا ہے اور سب سے بڑھ کر شریعت نے حج کا اتنا اجر و ثواب متعین فرمایا ہے کہ سفر حج ایک عاشقانہ سفر بن جاتا ہے۔ ذیل کے سطور میں، حج کے اجر و ثواب احادیث شریفہ کی روشنی میں، ملاحظہ فرمائیے!

حج انتہائی نیک عمل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ" قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "حَجٌّ مَبْرُورٌ". (بخاری شریف)

ترجمہ: (ایک بار) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سے اعمال اچھے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔" پوچھا گیا پھر کون؟ فرمایا: "اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔" پوچھا گیا پھر کون؟ ارشاد فرمایا: "حج مبرور۔"

حج مبرور کیا ہے؟

☆ وہ حج جس کے دوران کوئی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا ہو۔

☆ وہ حج جو اللہ کے یہاں مقبول ہو۔

☆ جس میں کوئی ریا اور شہرت مقصود نہ ہو اور جس میں کوئی فسق و فجور نہ ہو۔

☆ وہ حج جس سے لوٹنے کے بعد گناہ کی تکرار نہ ہو اور نیکی کا رجحان بڑھ جائے۔

☆ وہ حج جس کے بعد آدمی دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور آخرت کے سلسلہ

میں دل چسپی دکھائے۔

حج مبرور کی فضیلت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ۔**

[بخاری شریف، حدیث: 1773، مسلم شریف، حدیث: 437 - (1349)]

ترجمہ: "ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان (گناہوں) کا کفارہ ہے، جو ان دونوں کے درمیان ہوئے ہوں، اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے۔"

حج پچھلے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے:

ابن شامہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب کہ وہ قریب المرگ تھے۔ وہ کافی دیر تک روئے، پھر انہوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا۔ اس پر ان کے صاحبزادے نے چند سوالات کیے۔ پھر انہوں نے (اپنے اسلام قبول کرنے کی کہانی سناتے ہوئے) فرمایا: جب اللہ نے میرے قلب کو نور ایمان سے منور کرنا چاہا؛ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا دست (مبارک) پھیلائے، تاکہ میں بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیلا لیا۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا: میری ایک

شرط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری کیا شرط ہے؟ میں نے کہا: میری مغفرت کر دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَمَّا عَلِمْتُ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِيهِمْ مَا كَانَ قَبْلَهُ؛ وَأَنَّ الْهَجْرَةَ تَهْدِيهِمْ مَا كَانَ قَبْلَهَا؛ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِيهِمْ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟" [مسلم شریف، رقم الحدیث: 192 - (121)]

ترجمہ: "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسلام (قبول کرنا) پہلے (کے تمام گناہوں) کو مٹا دیتا ہے؟ ہجرت گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پہلے (کے کیے ہوئے گناہوں) کو مٹا دیتا ہے۔"

ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَهُ يَزْفَتْ، وَلَهُ يَفْسُقُ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ." (بخاری شریف، حدیث نمبر: 1521)

ترجمہ: "جس شخص نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس نے (اس دوران) فحش کلامی یا جماع اور گناہ نہیں کیا؛ تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک ہو کر اپنے گھر اس طرح) لوٹا، جیسا کہ اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔"

"رَفَتْ" کا معنی جماع، ہم بستری اور جو کچھ بھی شوہر و بیوی کے درمیان حالت جماع میں ہوتا ہے، جیسے بوس و کنار وغیرہ کے ہیں۔ ابو عبیدہ نے فرمایا: "رَفَتْ" کا مطلب "فحش کلامی" ہے۔ پھر کنایہ جماع اور متعلقات جماع کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ 22/275)

مسئلہ: حالت احرام میں جماع کرنا فقہاء کرام کے نزدیک اتفاقی طور پر حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورہ بقرہ، آیت: 197)

ترجمہ: "سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے، تو پھر نہ کوئی بخش بات ہے اور نہ کوئی بے حکمی ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔"

مسئلہ: اگر کسی نے حالت احرام میں عدا (جان بوجھ کر) جماع کیا ہو؛ تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور قضاء و کفارہ لازم ہو گا۔ اگر کسی نے حالت نسیان (بھول) میں جماع کیا ہو؛ تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بھی حج فاسد ہو جائے گا اور قضاء و کفارہ لازم ہو گا؛ لیکن شافعیہ کے نزدیک حج فاسد نہیں ہو گا؛ بل کہ صرف کفارہ لازم ہو گا۔ (الموسوع الفقہیہ الکویتیہ 22/276-277)

"فُسِقَ" سے مراد معاصی و گناہ ہے۔ "كَيُّوْمٌ وَلَكِنَّهُ اُمَّه" کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کسی گناہ کے بغیر، اس کا ظاہری مطلب صغائر و کبائر (چھوٹے اور بڑے): سارے گناہوں کا معاف کیا جاتا ہے۔" (فتح الباری 3/382-383)

فقر اور گناہ کو مٹانے والے اعمال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أَذِیْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكَبِيرُ حَبَثَ الْحَدِيدِ." (المعجم الاوسط، حدیث: 3814)

ترجمہ: "حج اور عمرہ پر دوام برتو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ختم کرتے ہیں، جیسا کہ دھونکنی لوہا سے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حج اور عمرہ ایک ساتھ کیا کرو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو مٹاتے ہیں جیسا کہ بھٹی لوہا، سونا اور چاندی سے زنگ ختم کر دیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔" (ترمذی شریف)

برائے حج خرچ کرنے کی فضیلت:

ابوزہیر رضی اللہ عنہ؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "النَّفَقَةُ فِي الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَسْبِغُ مِائَةً ضِعْفٍ." (مسند احمد، حدیث: 23000، شعب الایمان، حدیث: 3829)

ترجمہ: "حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی طرح، (جس کا ثواب) سات سو گنا تک ہے۔"

حاجیوں کی دعائیں:

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "الْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَقَدْ اللَّهُ تَعَالَى يُعْطِيهِمْ مَسْأَلَتَهُمْ، وَيَسْتَجِيبُ دُعَاءَهُمْ، وَيَقْبَلُ شَفَاعَتَهُمْ، وَيُضَاعِفُ لَهُمْ أَلْفَ أَلْفِ ضِعْفٍ." (اخبار مکہ للفاہی، حدیث: 902)

ترجمہ: "حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مانگ ان کو عطا فرماتے ہیں، ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہیں، ان کی شفا فرما قبول کرتے ہیں اور ان کے لیے ہزار ہزار گنا تک ثواب بڑھایا جاتا ہے۔"

حج کرنے میں جلدی کیجیے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حج۔ یعنی فرض حج۔ میں جلدی کرو؛ کیوں کہ تم میں کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسے کیا عذر پیش آنے والا ہے۔" (مسند احمد، حدیث: 2867)

حج نہ کرنے پر وعید:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: "مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تَبْلُغُهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحْجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا، وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: "وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا". [آل عمران: 97] (ترمذی شریف، حدیث نمبر: 812)

ترجمہ: "جو شخص اتنے توشہ اور سواری کا مالک ہو جائے، جو اسے بیت اللہ تک پہنچا دے، اس کے باوجود وہ حج نہ کرے؛ تو اس کے لیے کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ یہودی ہونے کی حالت میں مرے یا نصرانی، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: "اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا، اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو ان شہروں میں بھیجوں، پھر وہ ان لوگوں کی تحقیق کریں کہ جنہوں نے استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا، پھر وہ ان لوگوں پر ٹیکس لاگو کریں؛ (کیوں کہ) وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں۔" (السنة لابن کبر بن الخلال 5/44)

حرف آخر:

حج کے اجر و ثواب جو احادیث مبارکہ کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، وہ کسی بھی مسلمان کو حج و عمرہ کا شوق دلانے کے لیے کافی ہیں۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے، ان کو چاہیے کہ خود کو حج و عمرہ کے عظیم ثواب سے محروم نہ کریں؛ کیوں کہ ہم ہمہ دم نیکیوں کے حصول اور گناہوں و سینات سے مغفرت کے سخت محتاج ہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ہماری زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ کاغذ کی ایک ناؤ ہے، جہاں تک پہنچ جائے یہ ایک غنیمت ہے۔ آپ کی یہ ڈیڑھ دن کی زندگی چلی گئی؛ تو پھر کبھی واپس نہیں آئے گی۔ پھر حج کرنے میں تاخیر کیوں؟

اسلام کا اقتصادی نظام

اور غیر اسلامی نظریے

بکھ..... مفتی محمد عارف باللہ حفظہ اللہ

اقتصادی نظام اور اس کی راہ میں پیش آمدہ مشکلات کا حل جو اسلام نے پیش کیا ہے اس کو جاننے سے پہلے ذہن میں اسلامی معیشت و اقتصاد کا تصور واضح ہونا اور یہ بات معلوم ہونی از حد ضروری ہے کہ اسلامی اقتصاد و معیشت کس چیز کا نام ہے؟ اس کی کیا بنیادی خصوصیات ہیں؟ وہ کس طرح دوسری معیشتوں سے ممتاز ہے؟ کیونکہ جب تک یہ بات واضح نہ ہوگی اس وقت تک اقتصادی مسائل پر بحث و تحقیق اور ان کا کوئی حل منطقی طور پر درست نہیں ہوگا۔

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے:

اسلامی معیشت یا بالفاظ دیگر ”اسلام کے اقتصادی نظام“ کے حوالے سے سب سے پہلی بات جو ذہن نشیں رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ اسلام درحقیقت ”کیپٹل ازم“ (سرمایہ دارانہ نظام) ”یاسوشلزم“ (اشتراکیت) کی طرح ایک ”معاشی نظام“ نہیں ہے، مجموعہ قوانین اسلام ”قرآن و سنت“ میں وہ بنیادی تصورات تو ہیں جن پر بنیاد رکھ کر ایک معیشت و اقتصاد کی تعمیر کی جاسکتی ہے لیکن معیشت کے ایسے نظریات موجود نہیں ہیں جو ”آدم سٹھ“ ”مارشل“ اور دوسرے ماہرین معاشیات کی کتابوں میں موجود ہیں، کیونکہ اسلام اپنی ذات اور اصل میں معاشی نظام نہیں بلکہ وہ ایک نظام زندگی ہے، جس کا ایک چھوٹا سا شعبہ معیشت و اقتصاد بھی ہے۔

اصل منزل تو آخرت کی ہے:

اسلام نے اگرچہ اقتصاد و معیشت کو اہمیت دی ہے، دنیاوی منافع کو قرآن میں ”فضل“ اور ”خیر“ کہا گیا ہے، رسول اکرم ﷺ نے حلال طریقے سے رزق کے حصول کو طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (کنز العمال) فرما کر دوسرے درجہ کا اہم فریضہ قرار دیا ہے اور بے شک معیشت و اقتصاد اسلامی تعلیمات کا ایک بہت اہم شعبہ ہے جیسا کہ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ”فقہ اسلامی“ کی کسی بھی کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے دو حصے معیشت سے متعلق ہی ہوں گے۔ لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام نے اسے مقصد زندگی قرار نہیں دیا ہے، اور دوسرے معاشی نظاموں کی طرح انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ معیشت کو ہی نہیں بنایا ہے، بلکہ اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ انسان دنیا کو ایک عبوری دور سمجھے اور ساری کوششوں، ساری توانائیوں اور ساری جدوجہد کا محور دنیاوی زندگی کی معیشت کو ہی نہ بنائے؛ کیونکہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری ابدی اور سرمدی زندگی آخرت کی شکل میں آنے والی ہے جس کی فلاح و بہبودگی درحقیقت انسان کا سب سے بنیادی مسئلہ ہے۔

اسلام رہبانیت کا مخالف ہے:

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان صرف آخرت کی سوچ لے کر بیٹھ جائے، معیشت کو غیر کارآمد فضول سمجھنے لگے، اور زندگی بہتر بنانے کی سعی کو ناجائز سمجھ بیٹھے، اس لئے کہ دین محمدی کے بے شمار امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس نے یہ تعلیم دی ہے کہ انسان معیشت اور اقتصاد کو اختیار کرے، اس سے فائدہ اٹھائے، اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنائے، لیکن نہ تو معیشت کو آخری مقصد زندگی اور

بنیادی سطح نظر قرار دے اور نہ ہی اس کے حدود سے تجاوز کرے۔

معیشت اور اقتصاد کا مفہوم، ضرورت اور بنیادی مسائل:

معیشت اور اقتصاد کے حوالے سے اسلام کے نقطہ نظر کی مختصر توضیح کے بعد یہ جاننا لازم ہے کہ معیشت و اقتصاد کے بنیادی مسائل کیا ہیں؟ جن کے حل کرنے میں کیپٹل ازم، سوشلزم اور اسلام کا نظریہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور جسے حل کرنے میں ہر ایک طبقہ نے ایک الگ طریقہ اپنایا ہے، اور ساتھ ہی معیشت و اقتصاد کا حقیقی مفہوم بھی ذہن و دماغ میں رکھنا ضروری ہے کہ اقتصاد کو انگریزی اصطلاح میں اکناکس (Economics) کہتے ہیں۔ اور اس کے معنی و مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی ضرورت کو کفایت کے ساتھ پورا کر لے، کفایت کا تصور اکناکس اور اقتصاد ہر ایک میں موجود ہے۔ لہذا اقتصاد کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی ضروریات بلکہ خواہشات غیر متناہی ہیں اور ان ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وسائل کم اور محدود ہیں۔ اسی وجہ سے علم معاشیات اور اقتصادیات کی ضرورت درپیش ہوئی کہ کس طرح دونوں کے درمیان مطابقت پیدا کر کے کفایت کے ساتھ ضروریات اور خواہشات پوری ہو سکیں اور یہی درحقیقت علم معاشیات کا موضوع ہے اور اسی نقطہ نظر سے کسی معیشت کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ چار بنیادی مسائل ہیں، جن کو ہر ایک نے الگ الگ انداز میں حل کرنے کی کوشش کی یہ اور بات ہے کہ کامیابی صرف اسلام کو ملی اور کیپٹل ازم اور سوشلزم افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ گئے۔

(۱) ترجیحات کا تعین:

ترجیحات کا تعین معیشت و اقتصاد کا ایک اہم مسئلہ ہے، اس لئے کہ انسانی خواہشات اور ضروریات غیر متناہی، بے انتہاء اور غیر محدود ہیں اور ان کی تکمیل کے

وسائل محدود اور متناہی ہیں تو اب کون سی خواہشات اور ضروریات کو مقدم کیا جائے اور کون سی خواہشات اور ضروریات کو مؤخر۔

(۲) وسائل کی تخصیص:

وہ وسائل جو ہمارے پاس موجود ہیں ان کو کس کام میں کس مقدار میں لگایا جائے، مثلاً ہمارے پاس زمین بھی ہے، کارخانے بھی ہیں اور دیگر انسانی وسائل بھی ہیں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنی زمین پر گندم اگائیں، کتنی زمین پر روئی اگائیں اور کتنی زمین پر چاول کی کھیتی کریں، یعنی کون سے وسیلے کو کس کام کے لئے کس مقدار میں مخصوص کیا جائے۔

(۳) آمدنی کی تقسیم:

جب پیدا اور ہو تو اس پیداوار کو کس طرح گھر، معاشرہ اور سوسائٹی میں تقسیم کیا جائے۔

(۴) ترقی:

چوتھا مسئلہ جس کو معاشیات کی اصطلاح میں (Development) ”ترقی“ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری جو اقتصادی سرگرمیاں ہیں ان کو کس طرح ترقی دی جائے تاکہ مزید ترقی نصیب ہو۔ یہ وہ چار اسباب معیشت ہیں جن کو ہر ایک نے اپنے طور پر حل کیا ہے۔

”سرمایہ دارانہ نظام“ کا نظریہ:

چنانچہ ”سرمایہ دارانہ نظام“ یعنی کیپیل ازم نے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک راستہ اختیار کیا اور ایک جادو کی چھڑی بنائی کہ ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ

منافع کمانے کیلئے آزاد چھوڑ دیا جائے، پھر جب ہر شخص منافع کمانے کی فکر کرے گا اور جدوجہد کرے گا تو یہ چاروں مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے، یعنی سرمایہ دارانہ نظام نے اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے بنیادی اصول یہ بنایا کہ ”انفرادی ملکیت ہو“ حکومت کی کوئی مداخلت نہ ہو” اور انسان کے اپنے ذاتی منافع کو ایک محرک طور پر استعمال کیا جائے اور معاشی سرگرمیوں میں تیزی لانے کے لئے اس کی ترغیب دی جائے۔“

”سرمایہ دارانہ نظام“ کی خرابیاں:

لیکن اہل خرد اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ نظام اگرچہ نظریاتی طور پر ایک معقول فلسفہ ہے، لیکن یہ نظریہ مسائل کو صحیح طریقہ پر حل نہ کر سکا، بلکہ اس سے بے شمار خرابیاں وجود میں آئیں، کوئی اخلاقی قدر ایسی باقی نہ رہی جو اس بات کا خیال کرے کہ معاشرے کو کون سی چیز مفید ہوگی اور کون سی چیز معاشرے کو موت کے گھاٹ اتار دے گی، ساتھ ہی معاشرے میں دولت کی گردش ناہموار ہوتی چلی گئی۔ سرمایہ داروں نے سود، قمار، سٹہ اور اکتناز کے ذریعے چاروں طرف ہاتھ مار کر روپیہ اپنے دامن میں سمیٹا، دولت کے بل بوتے پر پورے بازاروں کے حکمران بن بیٹھے، قیمتوں کو مصنوعی طور پر چڑھایا اور بڑھایا گیا، غیر ضروری بلکہ مضر اشیاء کو زبردستی ٹھونسایا اور مزدوروں اور کسانوں پر یہ نظام ظلم و ستم کا پہاڑ بن کر ٹوٹا۔

اشتراکیت میں ان کا حل:

اب ”اشتراکیت“ میدان میں آئی اور سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت کرتے ہوئے اس نے ایک الگ نظریہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک نئی راہ کا دروازہ کھولا کہ سارے وسائل اور پیداوار انفرادی ملکیت میں رکھنے کے بجائے اجتماعی ملکیت میں لائے جائیں یعنی سارے وسائل اور پیداوار حکومت کی

تحویل میں دے دیئے جائیں۔“

اشتراکیت کی خرابیاں:

سچ یہ ہے کہ یہ بھی مرض کے اسباب کی تشخیص ٹھنڈے دل و دماغ سے نہ کر سکی، اس سے چھوٹے سرمایہ دار بے شک ختم ہو گئے، لیکن ان کی جگہ ایک بڑا سرمایہ دار وجود میں آیا اور اس سے پیداوار کا تھوڑا اور اقل قلیل حصہ محنت کش عوام کے ہاتھ آیا، باقی تمام دولت اور پیداوار کو حکمران جماعت نے اپنے گھروں میں جمع کر لیا۔

الحاصل معیشت و اقتصاد کے حوالے سے انسانی مشکلات کا حل نہ اس کے پاس تھا نہ اس کے پاس وہ اگر افراط تھی تو یہ تفریط، مزدور کسان اگر سرمایہ دارانہ نظام میں مظلوم و مقہور تھے، تو اشتراکی نظام میں بھی وہ کچھ کم بے بس نہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام اور احکام:

اس کے برعکس اسلام نے سرمایہ اداری اور اشتراکیت کے بیچ سے عدل و مساوات کے سیدھے راستے کو اختیار کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ دنیا کی ہر چیز خواہ وہ زمین ہو یا کارخانہ روپے ہوں یا سونے چاندی ان سب کا مالک اللہ ہے، اصل ملکیت اسی کی ہے اللہ مافی السموات وما فی الارض (القرآن) ہاں وہ اپنی ملکیت اپنے بندوں کو نفع اٹھانے کے لئے اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ اس کے استعمال میں اس کی مرضی کے پابند ہوں اور مال و دولت کے نشہ میں مست ہو کر دوسروں کا خون نہ چوسیں بلکہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کریں ارشاد ربانی ہے: **وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُبْغِضِينَ** - (سورۃ قصص: 77)

”تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور

دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بے شک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا“

یعنی اللہ نے انسان کو اشتراکیت کی طرح انفرادی ملکیت سے محروم نہیں کیا بلکہ سرمایہ داری کی طرح انفرادی ملکیت عطا کی، لیکن سرمایہ داری کی طرح اسے خود مختار نہ بنایا کہ وہ جیسے چاہے کرتا پھرے، بلکہ اپنی مرضی کا پابند بنایا، ساتھ ہی سرمایہ دارانہ نظام کی تمام خرابیوں کے اسباب و عوامل سود، قمار، سٹہ اور اکتناز کو حرام قرار دیا اور اعلان کر دیا: **أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** (سورۃ بقرہ: 275)

”اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام“

دوسری جگہ اعلان کیا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ**۔ (سورۃ المائدہ: ۹۰)

”اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیرے سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سوان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو“ اور ہر اس چیز سے منع کر دیا جس سے معاشرہ کا نقصان ہو اور ایک شخص دھن جمع کرتا ہو چنانچہ ”بیع جلب“ اور ”بیع حاضر لباد“ کو اسی خطرہ کے پیش نظر ممنوع قرار دیا۔ (بخاری: احمد)

اسی معاشرہ کے نقصان کے پیش نظر احتکار کو ناجائز قرار دیا اور اعلان کر دیا **الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمَحْتَكِرُ مَلْعُونٌ**۔ (ابن ماجہ)

”دوسرے شہر سے مال لانے والے کو رزق (اور روزی میں برکت و نفع) دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے“

یہی نہیں بلکہ ناجائز آمدنی پر پابندی لگانے کے علاوہ ”اکتناز“ سے روکتے ہوئے غریبوں تک دولت پہنچانے کے لئے سرمایہ داروں پر زکوٰۃ جیسے بہت سے اخراجات اسلام نے واجب کر دیئے اور یہ بھی نہیں کہ اسے ان کی طرف سے احسان سمجھا جائے کہ سرمایہ دار غریبوں کو اپنے اس احسان کے ذریعہ دبائیں اور عار دلائیں بلکہ اسے ”حق واجب“ قرار دیا، جسے بزور قانون وصول کیا جاسکتا ہے۔ نیز اسلام نے غریبوں کی رعایت کرتے ہوئے زکوٰۃ کے علاوہ عشر، خراج، صدقات، کفارات، نفقات، وصیت اور میراث کے ذریعہ مالداروں کے تالاب سے غریبوں کے کھیتوں کی طرف مختلف نہریں جاری کر دیں تاکہ پورا معاشرہ سرسبز و شاداب رہے اور آیت قرآنی (وابتغوا من فضل اللہ) اور (کلوا من الطيبات واعملوا صالحا) کے ذریعہ حلال آمدنی کے حصول پر توجہ دلاتے ہوئے اس کو صحیح مصرف اور اللہ کی راہ میں یعنی غریبوں پر خرچ کرنے کی تاکید بھی کر دی، چنانچہ قرآن و حدیث کو دیکھئے ان کی تعلیمات ”انفاق فی سبیل اللہ“ سے بھری پڑی ہیں بلکہ اللہ کی راہ میں ضرورت سے زائد خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

غرض ایک طرف سرمایہ داری کی ناجائز آمدنی اور اشتراکیت کے ظلم و جور کو ختم کر کے اور دوسری طرف اس کے اخراجات میں اضافہ کر کے اسلام نے دولت کے بہاؤ کا رخ عام معاشرہ کی طرف پھیر دیا تاکہ خوشحالی ہی خوشحالی نظر آئے، معاشرہ سے غربت دور ہو انسان چین و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرے نہ امیر غریبوں کا خون چوسیں اور نہ ہی غرباء ”بقاء حیات“ اور ”سدر مق“ کے لئے ”قوت لایموت“ کو ترسیں۔ یہ ہے اسلام کا اقتصادی نظام کہ جس نے اسے اپنا ترقی کرتا ہی چلا گیا اور جس نے اس کے علاوہ کوئی دوسری راہ تلاش کی ابدی تنزلی اس کا مقدر بن گئی۔

دینی مدراس میں قواعد فقہ کی تعلیم

بھ... مولانا اشتیاق احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

”فقہی اصول و قواعد“ دین فہمی کی اساس اور احکام شرعیہ کی کسوٹی ہیں، عصر حاضر کی علمی زبان میں ”قواعد تفسیر النصوص“ کی تعبیر اصول فقہ کے لیے مستعمل ہے یہ قرآن و سنت کی تشریح و تفہیم کا مقررہ منہاج ہیں، ان کی بنیادیں گہری اور ستون مضبوط ہیں، شریعت کو باطل کی آمیزش سے پاک رکھنے کے لیے مدارک اجتہاد اور مقاصد شریعت پر گہری بصیرت رکھنے والے علمائے راسخین اور فقہائے عالمین نے ان کو فن کی حیثیت سے مرتب فرمایا ہے، انھیں اصول و قواعد کے مطابق احکام کی تشریح و توضیح صحت و حقیقت کی ضامن ہے۔

فقہی اصول و قواعد کی تدوین:

جب اسلام عرب سے عجم میں سرعت کے ساتھ پھیل رہا تھا، اسی وقت اس کی تدوین عمل میں آئی، اس وقت کی صورت حال کچھ اس طرح تھی:

1: نئی قوم اپنے ماضی کے رجحانات کے ساتھ اسلام میں داخل ہو رہی تھی، دین میں ان رجحانات کی آمیزش کا خدشہ تھا۔

2: نئے نئے لوگوں کے ساتھ نئے نئے مسائل بھی اسلام سے اپنا حل طلب کر رہے تھے، گویا اسلام کو ایک چیلنج درپیش تھا، جو مسائل قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے ہیں، ان کا حکم دریافت کرنا بڑا اہم مطالبہ تھا۔

3: بعض منافقانہ ذہن رکھنے والے لوگوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر نصوص کی غلط تشریح کا آغاز کر دیا تھا، ان کا اسلوب مناظرانہ اور مقصد اسلام کی شبیہ بگاڑنا تھا اور

بس؛ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، مگر اتنا ضرور ہوا کہ چند افراد کا گروہ ان کے موافق ہو گیا۔

انہیں حالات میں فقہائے امت کی باتوفیق جماعت نے چاہا کہ اسلام کے جزوی احکام کے لیے ایسے اصول وضع کیے جائیں، جن سے اسلام کی شبیہ بگڑنے سے بچ جائے، اور فروعی مسائل کو ایسے ستون سے باندھ دیا جائے، جو ہلائے نہ ہلے، انہیں اصول و قواعد کے مطابق تشریح، اسلام کی صحیح ترجمانی کی ضامن ہو، جو ترجمانی ان سے ہٹ کر ہو، وہ جادہ استقامت سے ہٹی ہوئی کہلائے۔ فقہاء کی وہ جماعت جہاں فطری استقامت، سلامت روی، انقیاد و اطاعت اور خلوص وللہیت کے زیور سے آراستہ تھی؛ وہیں ان کے اندر نصوص فقہی، استنباط مسائل اور عربی زبان و ادب کا ذوق سلیم اعلیٰ درجے کا موجود تھا، وہ قواعد و ضوابط کے محتاج نہ تھے، وہ اپنے ذوق سلیم سے استفادہ کر کے احکام شریعہ سمجھتے اور سمجھاتے تھے۔ انہوں نے قرآن و سنت کے معانی تک پہنچنے کے لیے لفظی اور معنوی قواعد و ضوابط مرتب کیے۔ اس طرح اسلام غیروں کے دست برد اور باطل کی آمیزش سے محفوظ رہا، جب ”فقہی اصول و قواعد“ کی تدوین عمل میں آگئی، تو سارے اہل علم کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں، اسلام کے خلاف نئے چیلنج کا سامنا کرنا آسان ہو گیا نئے مسائل کے حل میں جو دشواریاں پیش آرہی تھیں، سب ختم ہو گئیں، اس فن سے جہاں ائمہ متبوعین کا منہج اور استنباط مسائل کا طریقہ کار معلوم ہوتا ہے، وہیں اس فن سے اسلامی قوانین اور احکام فرعیہ کے صحیح طور پر سمجھنے کا ذوق اور ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

اصول اور قواعد میں فرق:

”اصول فقہ“ اور ”قواعد فقہ“ میں فرق ہے، ”اصول فقہ“ میں نصوص

کے الفاظ و معانی کی اقسام الفاظ کے ظہور و خفاء، اجمال و تفصیل، اسی طرح الفاظ کے معانی پر دلالت کی جہتوں اور شکلوں سے بحث ہوتی ہے، اسی طرح نصوص سے تحقیق مناط اور تعیین علت کے بعد علت مشترکہ کی بنیاد پر احکام کی تخریج کا طریقہ بھی بتایا جاتا ہے، اور ”قواعد فقہ“ کے فقہائے کرام نے قرآن و سنت، عرف و عادت، مصالح و مقاصد شریعت وغیرہ کو سامنے رکھ کر ترتیب دیئے ہیں، فروعی احکام کی صحت و سقم کو ان پر جانچا اور پرکھا جاتا ہے، بعض احکام ان قواعد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو بظاہر منطبق ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ کسی دوسرے قاعدے پر مفرع ہوتے ہیں، مستثنیٰ احکام کو ان کے متعلقہ قواعد پر منطبق کرنا، آسان کام نہیں، اس کے لیے ایک طرف فقہی بصیرت اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے۔

تو دوسری طرف فقہ کا وسیع مطالعہ اور قواعد سے احکام کی تفریع اسی طرح عملی زندگی میں احکام اسلامی کی تطبیق کا ملکہ بھی ضروری ہے، ان اوصاف کے بغیر قواعد سے احکام کی تفریع میں لگنا ہی جائز نہیں، اس سے بڑی بڑی خرابیاں در آنے کا شدید اندیشہ ہے۔

ایسے لوگ اگر اس میدان میں آئیں گے تو ”فقہ اسلامی“ کے ساتھ ”نادان دوست“ والا معاملہ ہوگا، یہ لوگ اسے ”بڑھیا کا طوطا“ بنا ڈالیں گے، یہ خطرہ اس وجہ سے بھی زیادہ ہوگا کہ فقہی قواعد، منطق، نحو، صرف اور اشتقاق کے قواعد کی طرح کلی نہیں ہوتے، بلکہ اکثری ہوتے ہیں، اکثر جزئیات و احکام ضرور اس پر منطبق ہو جاتے ہیں، لیکن مستثنیات کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے، جیسا کہ علامہ حموی رحمہ اللہ نے حاشیہ الاشباہ والنظائر میں اس کی صراحت فرمائی ہے: اذھی عند الفقهاء حکم اکثری لا کلی ینطبق علی اکثر جزئیاتہ۔ (حاشیہ الاشباہ، ص: ۶۶، الفن الاول)

علامہ زید الدین بن ابراہیم بن نجیم رحمہ اللہ کی کتاب ”الاشباہ والنظائر“ اس بات کی شاہد عدل ہے، جن لوگوں نے بھی گہرائی سے اس کا مطالعہ کیا ہے، ان پر یہ باتیں بالکل عیاں اور واضح ہیں، مزید تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔

مدارس میں اصول و قواعد کی تدریس کا جائزہ:

ہندوپاک کے مدارس میں عموماً، چار یا پانچ کتابیں اصول فقہ میں پڑھائی جاتی ہیں، اصول الشاشی سے پہلے تسہیل الاصول، معین الاصول اور آسان اصول فقہ جیسی کتابیں داخل درس ہوتی ہیں، پھر نور الانوار اور حسامی پڑھائی جاتی ہے، اور دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے، جہاں فنون کی تکمیل کا رواج ہے، وہاں مسلم الثبوت آخری کتاب مانی جاتی ہے۔

افتاء میں ”اصولِ بزدوی“ بعض جگہ داخل نصاب ہے، ممکن ہے کہ ”اصول سرخسی“ بھی کہیں پڑھائی جاتی ہو، اس لیے کہ اب وہ چھپ چکی ہے، طلبہ فارغ ہو جاتے ہیں، دورہ حدیث شریف تک ”فقہی قواعد“ کی ہوا تک نہیں لگتی، جن طلبہ کا انتخاب ”افتاء“ کے لیے ہوتا ہے، بس انھیں کو ”فقہی قواعد“ کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کے لیے عموماً ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں: (1) الاشباہ والنظائر (2) قواعد الفقہ (3) درر الحکام۔

”الاشباہ والنظائر“ اگرچہ مطالعہ کی کتاب ہے، لیکن اسے درساً درسا پڑھایا جاتا ہے، چونکہ پورا پڑھایا جانا ممکن نہیں ہے؛ اس لیے پہلی جلد ہی پوری ہو پاتی ہے، اس میں صرف دو نوعیں ہیں النوع الاول کے قواعد کلیہ چھ ہیں اور النوع الثانی کے انیس، اور ان قواعد کے تحت اکتیس ضابطے (ذیلی قواعد) ہیں، اس طرح قواعد کی جملہ تعداد چھپن ہو جاتی ہے۔

”قواعد الفقہ“ (مؤلفہ: مفتی عمیم الاحسان رحمہ اللہ) جہاں داخل نصاب ہے اور پوری پڑھائی جاتی ہے، وہاں کرنی کے چالیس اصول، اور فقہائے اربعہ کے درمیان آپسی اختلافی تہتر اصول، اسی طرح ”عام قواعد“ فقہ چار سو چھپیس پڑھائے جاتے ہیں؛ سب کی تعداد پانچ سو انتالیس (۵۳۹) ہو جاتی ہے۔

بعض مدارس میں ”دررالحکام“ سے چند قواعد کا انتخاب پڑھایا جاتا ہے، یہ ہے مدارس اسلامیہ میں فقہی قواعد کا پڑھایا جانے والا نصاب اور اس کا سرسری جائزہ۔

لمحہ فکر یہ:

آج کی اس علمی اور فکری مجلس میں یہ غور کرنا ہے کہ: اگر ہمارے مدارس اسلامیہ میں فقہ اور قواعد فقہ پڑھنے والے طلبہ آخر اتنے فائق کیوں نہیں ہوتے، جتنے ہمارے اکابر و اسلاف کے دور میں ہوا کرتے تھے؟ حالانکہ ہم بھی وہی نصاب پڑھتے اور پڑھاتے ہیں جو ہمارے اکابر و بزرگان کے دور میں تھا، مزید یہ کہ آج علمی وسائل پہلے سے کہیں زیادہ مہیا ہیں، کتابت و طباعت کی مشکلیں ختم ہو گئی ہیں۔

بہت سی علمی کتابیں جن کو دیکھنے کے لیے اکابر کی آنکھیں ترس گئی تھیں، آج وہ بہت آسانی سے ہر طالب علم کو مل جاتی ہیں، جن کتابوں کے لیے بڑی بڑی رقمیں خرچ ہوتی تھیں، آج سستی سے سستی قیمت پر مل جا رہی ہیں، سی، ڈیز اور انٹرنیٹ سے اور بھی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان سب کے باوجود نتائج حوصلہ افزا نہیں، آخر اس کی کیا وجوہات ہیں؟

فقہی بصیرت میں کمی کی وجوہات:

اسکی متعدد وجوہات ہیں، بعض ان میں اہم اور بعض بہت ہی اہم ہیں:

1: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مدارس میں فقہی کتابیں پوری نہیں پڑھائی

جائیں، اکابر کے دور میں کتابیں پوری ہوتی تھیں۔

ایک سرسری جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ: ہمارے مدارس میں سب سے پہلے ”نور الایضاح“ پڑھائی جاتی ہے، وہ صرف عبادات کے مسائل پر مشتمل ہے، یہ بھی بعض مدارس میں پوری نہیں ہوتی۔ ”قدوری“ دو سال میں پڑھائی جاتی ہے، اس وقت طالب علم کا شعور کامل اور بیدار نہیں ہوتا، بس کسی طرح کتاب پوری ہو جاتی ہے، بعض مدارس میں یہ دونوں کتابیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔

ان کے بعد ”شرح وقایہ“ کا نمبر آتا ہے، اس کی چار جلدیں ہیں، بہت سے طلبہ جانتے بھی نہیں کہ اس کی چار جلدیں ہیں، یا صرف دو؟ ان میں سے بھی پہلی جلد مکمل ہوتی ہے، اس میں صرف عبادات کے ابواب ہیں اور دوسری جلد کا کچھ ہی حصہ پڑھایا جاتا ہے، بقیہ دو جلدیں طباعت سے بھی محروم ہیں۔

پھر ”ہدایہ“ شروع ہو جاتی ہے، اس کی پہلی اور دوسری جلدیں بمشکل تمام اکثر مدارس میں پوری ہوتی ہیں، تیسری اور چوتھی جلد تو کہیں بھی پوری نہیں ہوتی، اسی پر فقہ کی تعلیم پوری ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مدارس اسلامیہ میں طلبہ عبادات کے ابواب تو اچھی طرح پڑھتے ہیں؛ لیکن معاملات وغیرہ کے ابواب تشنہ رہ جاتے ہیں، اس کے بعد ”افتاء“ میں داخل ہو جاتے ہیں، اس وقت جب وہ ”فقہی قواعد“ پڑھتے ہیں تو ان کو دو دشواریاں پیش آتی ہیں:

(الف) قواعد کے تحت جو مثالیں بے پڑھے ابواب کی ہوتی ہیں، وہ ان کو اجنبی لگتی ہیں، یا تو وہ بالکل سمجھ میں نہیں آتیں یا بمشکل ذہن نشیں ہوتی ہیں۔

(ب) دوسری دشواری؛ بلکہ مجبوری یہ ہوتی ہے کہ قواعد کے تحت مثالوں

کی تخریج میں وہ بے پڑھے ابواب کی مثالیں پیش نہیں کر سکتے۔

2: ”علم فقہ“ یکسوئی کا طالب ہے، لیکن آج طلبہ اور اساتذہ کی مشغولیوں کی کثرت نے یکسوئی کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔

3: عربی زبان و ادب کا ذوق پہلے کی طرح نہیں رہ گیا، پہلے ہر عالم اور ہر فقیہ کو زبان و ادب کا قابل لحاظ ذوق ہوتا تھا، آج وہ بات نہیں رہی۔

4: استنباط مسائل کا تعلق بڑی حد تک علوم عقلیہ سے مناسبت پر ہے، اس فن سے فکر و تدبر کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، حضرات اکابر کا ذہن علوم عقلیہ کو پڑھ کر روشن اور تیز ہو جاتا تھا، آج اس طرف توجہ نہیں کے برابر ہے؛ اس لیے بھی گہرائی و گیرائی کا فقدان ہے، خصوصاً علوم ولی اللہی کے دعویٰ کرنے والے حضرات اور مدارس کو اس کی طرف توجہ دینی چاہئے!

5: چند سالوں سے فقہ و افتاء کے طلبہ بھی علم سے زیادہ محض سند کے حصول کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، بعض طلبہ سوم یا چہارم عربی کے بعد دورہ حدیث میں داخلہ لے لیتے ہیں، دیوبند کے بعض مدرسوں میں بھی ایسے واقعات پیش آرہے ہیں، بعض مختصر مدتی عالم کورس کر کے سند حاصل کرتے ہیں پھر انھیں افتاء میں داخلہ کی خواہش ہوتی ہے، جبکہ مختصر مدتی کورس سے فقہ تو دور کی بات ہے، کسی بھی فن سے مناسبت نہیں ہو پاتی۔

6: تنخواہوں کی قلت اور مہنگائی کی کثرت کی وجہ سے اساتذہ بھی غیر علمی مشاغل میں مصروف نظر آتے ہیں، حیدرآباد اور اس طرح کے بڑے شہروں کی صورت حال یہی ہے، اساتذہ کرام محض واجب ڈیوٹی کر کے امامت، خطابت اور دکان داری میں لگ جاتے ہیں، یہ ان کی مجبوری ہے؛ اس لیے جیسے تیسے عبارت حل کر کے

طلبہ کو پڑھا دیتے ہیں، ان کو خود فن سے مناسبت نہیں ہوتی، تو طلبہ کو کیا آئے گا؟
حضرات اکابر کے دور میں ”قواعد فقہ“ کو باضابطہ نہیں پڑھایا جاتا تھا، افتاء میں فتویٰ نویسی کی تمرین کے ساتھ صرف ”رسم المفتی“ پڑھائی جاتی تھی، جس سے اُن کو ”اصول افتاء“ معلوم ہو جاتے تھے، وہ ”فقہ اسلامی“ کا محیط مطالعہ رکھتے تھے اور اساتذہ کی رہنمائی اور ان کے مشورے سے کسی ایک کتاب کا تفصیلی مطالعہ بھی کر لیتے تھے، علوم عقلیہ میں مہارت کی وجہ سے کسی بھی مسئلہ کے ہر چہار پہلو پر غور و فکر کرنا اُن کے لیے آسان تھا، عربی زبان و ادب کا ذوق ہونے کی وجہ سے ہر کتاب ان کے لیے آسان تھی، آج محض اردو کے فتاویٰ سے فتویٰ دے کر فقیہ اور مفتی کے مبارک لقب سے ملقب ہو جاتے ہیں اور محض اردو شرح سے کتاب حل کر کے اکابر اساتذہ کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

چند تجاویز

- 1: ان وجوہات کی بنا پر ضروری ہے کہ درج ذیل گذارشات پر توجہ دی جائے:
فقہ اسلامی کے موجودہ نصاب کو نہ بدلا جائے، بلکہ طریقہ تعلیم میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے!
- 2: اساتذہ کو اتنی کم تنخواہ نہ دی جائے کہ وہ دوسری حرفت و تجارت کرنے پر مجبور ہو جائیں اور یکسوئی سے خدمت نہ کر سکیں! نیز اتنی زیادہ کتابیں نہ دی جائیں کہ ان کو مطالعہ و تحقیق کا وقت نہ مل سکے!
- 3: شروع سے ہی نحو و صرف کے ساتھ عربی زبان و ادب کی تعلیم پر توجہ دی جائے!
- 4: فقہی کتابوں کی تدریس بڑے اور تجربہ کار اساتذہ کے سپرد کی جائے، جو

ایک طرف تو رخصتوں کو کم کر کے نصاب کی تکمیل کی طرف توجہ دیں اور دوسری طرف طلبہ میں فقہی ذوق پیدا کرنے کے لیے ”فقہی قواعد“ کی وضاحت کے ساتھ ان پر مسائل کی تطبیق کریں، نیز عرف و عادت کے بدلنے اور زمان و مکان وغیرہ کی تبدیلی سے جو مسائل جزوی یا کلی طور پر بدل گئے ہیں، اُن کی نشاندہی کریں۔

عملی زندگی میں ان مسائل پر کس طرح عمل ممکن ہے؟ اس کی بھی وضاحت کریں، یہ طریقہ طلبہ کی استعداد کو دیکھتے ہوئے شرح و قایہ یا ہدایہ میں ضرور اپنائیں، نور الایضاح اور قدوری میں بیان کو مفصل کرنے کے بجائے اختصار سے کام لیا جائے؛ البتہ عملی زندگی میں تطبیق مسائل کی تفہیم کو نہ چھوڑا جائے، اس طریقہ سے استعداد پختہ ہوگی اور طلبہ میں فقہ کا ذوق پیدا ہوگا، اور ان کے دل میں ”قواعد فقہ“ کی اہمیت بیٹھے گی، پھر جب وہ ”افتاء“ میں ”قواعد فقہ“ کا مطالعہ کریں گے تو ان کو اجنبیت نہ ہوگی۔

5: ”افتاء“ میں بالالتزام ایک متن کا محیط مطالعہ ضرور کرادیا جائے، اس کے لیے ”ملتی الابحر“ بڑی اچھی کتاب معلوم ہوتی ہے، اس کا فائدہ بہت ہوگا اس لیے بھی یہ ضروری ہے کہ قواعد پر جزیات کی تطبیق کے لیے مطالعہ کا وسیع محیط اور گہرا ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

6: ”افتاء“ میں فتاویٰ نویسی کی مشق صریح جزیئہ کی روشنی میں کرائی جائے، اگر صریح جزیئہ نہ ہو تو ”نظار“ کی روشنی میں تمرین ہو، آج تک اکابر کا طریقہ یہی چلا آ رہا ہے، نظیر کے تلاشے میں خوب خوب تھکنا اور تھکانا بڑا ہی کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

7: ”قواعد فقہ“ دراصل مطالعہ کا فن ہے، لیکن اب اسے باضابطہ درس میں پڑھایا جاتا ہے اور پڑھانے کا طریقہ اکثر دارالافتاء میں وہی پرانا ہے کہ استاذ صاحب

نے ہر قاعدہ کی مثالوں کے ساتھ تشریح کر دی اور طلبہ نے سمجھ کر یا بلا سمجھ سن لیا اور چلے گئے۔

قواعد فقہ کی تدریس کا طریقہ:

ناچیز کے نزدیک یہ طریقہ زیادہ مفید نہیں، اس میں کچھ ضروری تبدیلی لانی چاہئے؛ تاکہ مزید بہتری پیدا ہو جائے، چوں کہ پہلے کی طرح طلبہ مطالعہ نہیں کرتے، اس لیے ایسا طریقہ جو ان کو مطالعہ کی طرف متوجہ کرے وہی زیادہ مفید ہوگا، ناچیز نے دارالعلوم حیدرآباد میں ”الاشباہ والنظائر“ کی تدریس کا پانچ سال تجربہ کیا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوا کہ تخریج و تمرین کا طریقہ اچھا اور بہتر ہے۔

مثلاً: ”الاشباہ والنظائر“ کی پہلی جلد میں چھپن قواعد پڑھائے جاتے ہیں، پہلے ان سب کو یکجا کر کے زبانی یاد کرایا جائے، پھر تدریس کے ساتھ اولاً یہ تمرین کرائی جائے کہ سارے قواعد کن نصوص کی روشنی میں بنائے گئے ہیں، اُن معانی کے نصوص کی تخریج، پھر ان سے قواعد کے استخراج کی تفصیل لکھوائی جائے۔

اس کے لیے خود علامہ ابن نجیم کی تشریح اور حموی کا حاشیہ، اولین معاون ثابت ہوتے ہیں، اسی کے ساتھ ”الفوائد الجندیہ“ جو شوافع کی ”الاشباہ والنظائر“ کہلاتی ہے، اس سے بھی طلبہ تعاون لیں، اس لیے کہ اکثر قواعد اور ان کے مآخذ ملتے جلتے ہیں اس کے بعد اُن معانی کی نصوص مزید تلاش کرائی جائے، اس لیے کتابوں کی سی، ڈیز کا استعمال بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔

اس طرح طلبہ کو ”قواعد“ کی صحت کا اطمینان حاصل ہو جائے گا، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ غیر مقلدین کے اس اعتراض سے متاثر نہ ہوں گے جو یہ کہتے ہیں کہ فقہی قواعد کی کوئی اصل نصوص شرعیہ میں موجود نہیں یہ محض فقہاء کی

بنائی ہوئی عبارتیں ہیں۔

جب سارے قواعد پر یہ کام ہو جائے، تب ”الاشباہ“ میں ذکر کردہ جزئیات کی تطبیق کی تقریر استاذ صاحب کریں اور زیادہ بہتر ہے کہ باری مقرر کر کے طلبہ سے ہی تقریر کرائی جائے، اس لیے کہ افتاء میں طلبہ باستعداد ہوتے ہیں، البتہ مشکل مقامات کی تقریر لازماً استاذ صاحب ہی کریں، جب ایک قاعدہ پورا ہو جائے تو اس قاعدہ پر منطبق جزئیات کی تخریج فقہی کتابوں سے کرائی جائے، اگر طلبہ ایک دو مثال بھی صحیح تخریج کر کے لائیں تو ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، تاکہ ہمت پیدا ہو اور رسوخ فی العلم کی دولت سے بہرہ ور ہوں۔

”قواعد الفقہ“ (مؤلفہ مفتی عمیم الاحسان رحمہ اللہ) اگر پڑھائی جاتی ہو تو اس میں بھی قواعد کے ”حفظ“ کے ساتھ تخریج کی مشق کرائی جائے۔
قواعد کے حفظ کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ جب بھی کوئی مسئلہ اُن کے سامنے آئے گا، فوراً اُن کا ذہن قواعد کی طرف منعطف اور متوجہ ہو گا، کبھی نیا مسئلہ اگر سامنے آئے گا تو اس کے سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

8: تدریس کی حد تک فقہی قواعد پر مسائل کی تطبیق مشق و تمرین مفید ہے، فتویٰ نویسی میں محض قواعد سے فتویٰ لکھنے سے احتراز کیا جانا ضروری ہے، جیسا کہ ”رسم المفتی“ وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

اس سے ایک تو فتویٰ نویسی کا رائج طریقہ ٹوٹے گا، دوسرے فتویٰ نویس مسئلہ کو کچھ سے کچھ سمجھ لے گا، جس سے زحماتیں پیدا ہوں گی۔ رہے ماہر اور مشتاق فتویٰ نویس مفتیان کرام تو ان کے فتویٰ میں قواعد کا ذکر ہونا چنداں مضر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

رشوت کا گناہ

کھ..... مفتی محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شراب نوشی اور بدکاری سے بھی زیادہ سنگین ہے، بعض برائیاں تو ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہو سکتی ہیں ایک شخص کے نزدیک وہ برائی ہے۔ اور دوسرا اسے کوئی عیب نہیں سمجھتا لیکن رشوت ایک ایسی برائی ہوتی ہے جس کے بُرا ہونے پر ساری دنیا متفق ہے کوئی مذہب و ملت، کوئی مکتب فکر یا انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا نہیں ملے گا جو رشوت کو بدترین گناہ یا جرم نہ سمجھتا ہو، حد یہ ہے کہ جو لوگ دن کے وقت دفتروں میں بیٹھ کر دھڑلے سے رشوت کا لین دین کرتے ہیں وہ بھی جب شام کو کسی محفل میں معاشرے کی خرابیوں پر تبصرہ کریں گے تو ان کی زبان پر سب سے پہلے رشوت کی گرم بازاری ہی کا شکوہ آئے گا اور اس کی تائید میں وہ (اپنے نہیں) اپنے رفقاء کے کار کے دوچار واقعات سنا دیں گے، سننے والے یا تو ان واقعات پر ہنسی مذاق میں کچھ فقرے چست کر دیں گے یا پھر کوئی بہت سنجیدہ محفل ہوئی تو اس میں غم و غصہ کا اظہار کیا جائے گا لیکن اگلی ہی صبح سے یہی شرکائے مجلس پورے اطمینان کے ساتھ اسی کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے۔

غرض رشوت کی خرابیوں سے پوری طرح متفق ہونے کے باوجود کوئی شخص جو اس انسانیت سوز حرکت کا عادی ہو چکا ہو اسے چھوڑنے کے لئے تیار نظر نہیں آتا اور اگر اس کے بارے میں کسی سے کچھ کہا جائے تو مختصر سا جواب یہ ہے کہ ساری دنیا رشوت لے رہی ہے تو ہم کیا کریں؟ گویا ان کے نزدیک رشوت چھوڑنے کی شرط یہ ہے کہ پہلے دوسرے تمام لوگ اس برائی سے تائب ہو جائیں تب ہی چھوڑنے پر غور

کر سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں اور چونکہ رشوت لینے والے کے پاس بھی بہانہ ہے لہذا یہ تباہ کن بیماری ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے فرق یہ ہے کہ جب کوئی وباء پھیلتی ہے تو وہاں کوئی مریض یہ سوال نہیں کرتا کہ جب تک تمام دوسرے لوگ تندرست نہ ہو جائیں میں بھی صحت کی تدبیر نہیں کروں گا لیکن رشوت کے بارے میں یہ استدلال ناقابل تردید سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک استدلال نہیں ایک بہانہ ہے اور بات صرف یہ ہے کہ رشوت لینے والے کو اپنے اس عمل میں فوری طور سے کافی فائدہ ہوتا نظر آتا ہے اس لئے نفس اس فائدے کو حاصل کرنے کے لئے ہزار حیلے بہانے تراش لیتا ہے لیکن آئیے ذرا یہ دیکھیں کہ رشوت لینے میں واقعتاً کوئی فائدہ ہے بھی یا نہیں؟ بظاہر تو رشوت لینے میں یہ کھلا فائدہ نظر آتا ہے کہ ایک شخص کی آمدنی کسی زائد محنت کے بغیر بڑھتی جاتی ہے لیکن اگر ذرا باریک بینی سے کام لیا جائے تو اس وقتی فائدے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک ٹائیفائیڈ میں مبتلا بچے کو چٹ پٹی غذاؤں میں بڑا لطف آتا ہے لیکن بچے کے ماں باپ یا اس کے معالج جانتے ہیں کہ یہ چند لمحوں کا فائدہ نہ صرف اس کی تندرستی کو دور سے دور تر کر دے گا بلکہ انجام کار اسے زیادہ طویل عرصہ تک لذیذ غذاؤں سے محروم ہو جانا پڑے گا۔

یہ مثال صرف رشوت کے اخروی نقصانات پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ ذرا انصاف سے کام لیا جائے تو رشوت کے دنیوی نقصانات کے بارے میں بھی اتنی ہی سچی ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب معاشرے میں یہ لعنت پھیل جاتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی ایک جگہ سے کوئی رشوت وصول کرتا ہے تو اسے دسیوں جگہ خود رشوت دینی پڑتی ہے بظاہر تو وہ ممکن ہے کہ اسے آج

سوروپے زیادہ ہاتھ آگئے لیکن کل جب اسے خود دوسرے لوگوں سے کام پڑیگا تو یہ سوروپے نہ جانے کتنے سوہو کر خود اس کی جیب سے نکل جائیں گے۔

پھر رشوت کا یہ نقد نقصان کیا کم ہے کہ اس کی بدولت پورا معاشرہ بد امنی اور بے چینی کا جہنم بن جاتا ہے کیوں کہ کسی بھی ملک میں باشندوں کے امن و سکون کی سب سے بڑی ضمانت اس ملک کا قانون اور اس قانون کے محافظ ادارے ہی ہو سکتے ہیں لیکن جس جگہ رشوت کا بازار گرم ہو وہاں بہتر سے بہتر قانون بھی بالکل مفلوج اور ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے آج ہم معاشرے کی بد امنی کو ختم کرنے کے لئے کوئی قانون بنانے بیٹھتے ہیں تو سب سے بڑا مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ اس قانون کو رشوت کے زہر سے کیسے بچایا جائے؟ چوری، ڈاکے، قتل، اغواء، بدکاری اور دھوکے فریب کے انسانیت کش حادثات سے آج ہر شخص سہا ہوا ہے لیکن یہ نہیں سوچتا کہ ان حادثات کے روز افزوں ہونے کا سبب درحقیقت وہ رشوت ہے جو ہر اچھے سے اچھے قانون کو چند نوٹوں کے عوض بیچ کر اس کی ساری افادیت کو خاک میں ملا دیتی ہے اور جسے ہم نے اپنے روزمرہ کے طرز عمل سے شیر مادر بنا کر رکھ دیا ہے۔

ہم نے اگر کسی مجرم سے رشوت لے کر اسے قانون کی گرفت سے بچا لیا ہے تو درحقیقت ہم نے جرم کی اہمیت، قانون کے احترام اور سزا کی ہیبت کو دلوں سے نکالنے میں مدد دی ہے اور ان مجرموں کا حوصلہ بڑھایا ہے جو کل خود ہمارے گھر پر ڈاکہ ڈال سکتے ہیں۔

ایک سرکاری افسر کسی سرکاری ٹھیکہ دار سے رشوت لے کر اس کے ناقص تعمیری کام کو منظور کر دیتا ہے اور مگن ہے کہ آج آمدنی زیادہ ہو گئی، لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ جس ناقص پل کی تعمیر پر اس نے صاد کر دیا ہے کل جب گرے گا تو اس کی

زد میں خود وہ اور اس کے بچے بھی آسکتے ہیں، جس ناقص مال کی بنی ہوئی سڑک اس نے منظور کرادی ہے وہ ہزار ہا دوسرے افراد کی طرح خود اس کے لئے بھی عذاب جان بنے گی، اور سب سے بڑھ کر یہ سرکاری کاموں کے سلسلے میں رشوت کے عام لین دین سے ہم نے سرکاری خزانے کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا بار کوئی حکمراں ہی نہیں اٹھائے گا، بلکہ اس کے نتائج زائد ٹیکسوں کی شکل میں ملک کے تمام باشندوں کو بھگتنے پڑیں گے جن میں ہم خود بھی داخل ہیں اس سے ملک میں گرانی بھی پیدا ہوگی، خزانہ بھی کمزور پڑے گا، ملک کے ترقیاتی کام بھی رکیں گے، اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی منزل بھی دور ہوگی، اور دوسری اقوام ہمیں بدستور لقمہ تر سمجھتی رہیں گی۔

یہ تو چند سرسری سی مثالیں تھیں، لیکن اگر ہم ذرا اس رخ سے مزید سوچیں تو اندازہ ہو کہ رشوت کے لین دین کی بدولت ہم خود دنیا میں مستقل طور سے کن پیچیدہ مصائب اور سنگین مشکلات میں مبتلا ہو گئے ہیں؟

رشوت کے یہ دنیوی نقصانات تو اجتماعی نوعیت کے ہیں اور بالکل سامنے کے ہیں، لیکن اگر ذرا اور گہری نظر سے دیکھئے تو خاص رشوت لینے والے کی انفرادی زندگی بھی رشوت کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہتی۔ حدیث میں ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی والرائش۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے رشوت دینے والے پر بھی، رشوت لینے والے پر بھی اور رشوت کے دال پر بھی۔

جس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے حق میں بھی دعارے خیر ہی کی ہو اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی شخص پر لعنت بھیجنا معمولی بات نہیں۔ اس کا اثر آخرت میں تو ظاہر ہو گا ہی، لیکن دنیا میں بھی یہ لوگ اس لعنت کے

اثر سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ جو لوگ معاشرے کو تباہی کے راستے پر ڈال کر حق داروں کا دل دکھا کر غریبوں کا حق چھین کر اور ملت کی کشتی میں سوراخ کر کے رشوت لیتے ہیں۔ بظاہر ان کی آمدنی میں خواہ کتنا اضافہ ہو جاتا ہو، لیکن خوشحالی اور راحت و آسائش روپے پیسے کے ڈھیر، عالیشان کوٹھیوں، شاندار کاروں اور اپ ٹوڈیٹ فرنیچر کا نام نہیں ہے، بلکہ دل کے اس سکون اور روح کے اس قرار اور ضمیر کے اس اطمینان کا نام ہے جسے کسی بازار سے کوئی بڑی سے بڑی قیمت دے کر بھی نہیں خرید جاسکتا، یہ صرف اور صرف اللہ کی دین ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو یہ دولت دیتا ہے تو ٹوٹے چھوٹے، کھجور کی چٹائی اور ساگ روٹی میں بھی دے دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا تو شاندار بنگلوں، کاروں اور کارخانوں میں بھی نصیب نہیں ہوتی۔

آج اگر آپ کو رشوت کے ذریعے کچھ زائد آمدنی ہو گئی ہے، لیکن ساتھ ہی کوئی بچہ بیمار پڑ گیا ہے تو کیا یہ زائد آمدنی آپ کو کوئی سکون دے سکے گی؟ آپ کی ماہانہ آمدنی کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے، لیکن اگر اسی تناسب سے گھر میں ڈاکٹر اور دوائیں آنے لگی ہیں تو آپ کو کیا ملا؟ اور اگر فرض کیجئے کہ کسی نے مہار کر رشوت کے روپے سے تجوریاں بھر لیں، لیکن اولاد نے باغی ہو کر زندگی اجیرن بنادی، داماد نے جینا دو بھر کر دیا، یا اسی قسم کی کوئی اور پریشانی کھڑی ہو گئی تو کیا یہ ساری آمدنی اسے کوئی راحت پہنچا سکے گی؟

واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے باغی ہو کر روپیہ تو جمع کر سکتا ہے لیکن اس روپے کے ذریعے راحت و سکون حاصل کرنا اس کے بس کی بات نہیں، عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ حرام طریقے سے کمائی ہوئی دولت پریشانیوں اور آفتوں کا ایسا چکر لے کر آتی ہے جو عمر بھر انسان کو گردش میں

رکھتا ہے قرآن کریم نے ”جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ ایسے مصائب کا شکار کر دئے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں لذیذ سے لذیذ غذا بھی آگ معلوم ہوتی ہے۔“
لہذا رشوت خوروں کے اونچے مکان اور شاندار اسباب دیکھ کر اس دھوکے میں نہ آنا چاہئے کہ انہوں نے رشوت کے ذریعے خوش حالی حاصل کر لی، بلکہ ان کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ ان میں سے بیشتر افراد کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔

اس کے برعکس جو لوگ حرام سے اجتناب کر کے اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق پر قناعت کرتے ہیں، ابتداء میں انہیں کچھ مشکلات پیش آ سکتی ہیں، لیکن مال کار دنیا میں بھی وہی فائدے میں رہتے ہیں، ان کی تھوڑی سی آمدنی میں بھی زیادہ کام نکلتے ہیں، ان کے اوقات اور کاموں میں بھی برکت ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دل کے سکون اور ضمیر کے اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

اوپر رشوت کے جو نقصانات بیان کئے گئے وہ تمام تر دنیوی نقصانات تھے، اور اس لعنت کا سب سے بڑا نقصان آخرت کا نقصان ہے، دنیا میں اور ہزار چیزوں میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس بارے میں کسی مذہب اور کسی مکتب فکر کا اختلاف نہیں کہ ہر انسان کو ایک نہ ایک دن موت ضرور آئے گی اگر بالفرض رشوتیں لے لے کر کسی شخص نے چند روز مزے اڑا بھی لئے تو بالآخر اس کا انجام سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ ہے: الراشی والمرتشی کلاهما فی النار

رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔

اور اس لحاظ سے رشوت کا گناہ شراب نوشی اور بدکاری سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ شراب نوشی اور بدکاری سے اگر کوئی شخص صدق دل کے ساتھ توبہ کر لے تو وہ

اسی لمحے معاف ہو سکتا ہے، لیکن رشوت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے ہے، اس لئے جب تک ایک ایک حقدار کو اس کی رقم نہ چکائے یا اس سے معافی نہ مانگے، اس گناہ کی معافی کا کوئی راستہ نہیں، عام طور سے جب انسان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اپنی آخرت کی فکر لاحق ہو ہی جاتی ہے، اگر اس وقت عارضی دنیوی مفاد کے لالچ میں ہم یہ گناہ کرتے رہے تو یقین کیجئے کہ موت سے پہلے ہی جب آخرت کی منزل سامنے ہوگی تو یہ اعمال دنیا کے ہر آرام و راحت کو مستقل عذاب جان بنا کر رکھ دیں گے اور اس عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اگر تنہا میں نے رشوت ترک کر دی تو اس سے پورے معاشرے پر کیا اثر پڑے گا؟ لیکن یہی وہ شیطان کا دھوکہ ہے جو معاشرے سے اس لعنت کے خاتمے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، جب ہر شخص دوسرے کا انتظار کرے گا تو معاشرہ کبھی اس لعنت سے پاک نہیں ہوگا۔ آپ رشوت کو ترک کر کے کم از کم خود اس کے دنیوی اور آخرت کے نقصانات سے محفوظ ہو سکیں گے اس کے بعد آپ کی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ بنے گی کیا بعید ہے کہ آپ کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس لعنت سے تائب ہو جائیں، تاریکی میں ایک چراغ جل اٹھے تو پھر چراغ سے چراغ جلنے کا سلسلہ تناور ہو سکتا ہے کہ اس سے پورا ماحول بقعہ نور بن جائے پھر جب کوئی شخص اللہ کے لئے اپنے نفس کے کسی تقاضے کو چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے، دور دور سے ایک کام کو مشکل سمجھنے کے بجائے اسے کر کے دیکھئے، اللہ تعالیٰ سے اس کی آسانی کی دعا مانگئے۔ ان شاء اللہ اس کی مدد ہوگی ضرور ہوگی، بالضرور ہوگی اور کیا عجب ہے معاشرے کو اس لعنت سے پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو منتخب کیا ہو۔

کیا مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ ہے؟

بھ..... مولانا محمد مبشر بدر حفظہ اللہ

زمانہ کے تغیر کے ساتھ دنیا بھی ترقی کرتے کرتے آج ایسے دور میں داخل ہو چکی ہے جسے ٹیکنالوجی اور جدید سائنس کا دور کہا جاتا ہے۔ نت نئی ایجادات نے انسانی عقول کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ایسی ایسی چیزیں وجود میں آگئی ہیں جن کا پچھلے ادوار میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بھلا کس نے سوچا تھا کہ انسان بھی ہوا میں اڑے گا، برق رفتاری سے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں چند ساعتوں کے اندر پُر سکون سفر کر لے گا، مصنوعی ٹھنڈک پیدا کر کے اشیائے خورد و نوش کو دیر پا محفوظ رکھ سکے گا، کپڑوں کی بنائی سے لے کر برتنوں کی صنعت تک کے لیے مشینوں سے خدمت لی جائے گی، گھروں میں لکڑیاں جلانے کی مشقت کے بجائے گیس سے کھانا پکایا جائے گا، بجلی کی توانائی سے بڑے بڑے کام لیے جائیں گے اور علاج معالجے کے لیے اعلیٰ ادویات و جراحی کے آلات وجود میں آجائیں گے۔

بلاشبہ ان ایجادات کے پیچھے انسانی سہولت کار فرما تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کو مشقت سے بچا کر آسانی فراہم کی جائے، جس کا سہرا انسانی عقل کے سر بندھتا ہے، جو اللہ رب العزت نے انسان کو ودیعت فرمائی اور اشیاء میں خواص پیدا فرما کر انسانی عقل کی اس طرف رہنمائی فرمائی، تاکہ وہ اشیاء کے خواص کو ڈھونڈ کر انہیں اپنے استعمال کے لیے کارآمد بنائیں۔ لیکن سائنس دانوں نے جتنا زندگی کو تیز، پر تعیش اور آرام دہ بنانے کی کوشش کی وہ اتنا ہی پڑمر دہ اور مضحک ہوتی چلی گئی۔ وہ بند

کمرؤں میں بیٹھ کر جتنا انسانیت کی بھلائی اور سہولت کو سوچ کر نت نئی ایجادات کے لیے تجربے کرتے گئے اتنا انسانی روح بے چینی و بے قراری کی طرف سفر کرتی چلی گئی۔ لوگ اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارا مادہ پرستانہ نظریہ حیات ہے، جس نے جسم انسانی کو تو راحت بخش اسباب فراہم کر دیئے لیکن روح کی تشنگی کو سیراب کرنے سے قاصر رہا۔ انسان مادیت کی دلدل میں پھنس کر روح کی آسودگی کو ترس رہا ہے۔ روح کی آسودگی کے بغیر سب کچھ ہونے کے باوجود انسان خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔

اگر ہم روح کی اس بے قراری و بے چینی کا علاج ڈھونڈیں تو لامحالہ اس کا مداوا سوائے مذہب کے اور کسی کے پاس نہیں۔ ایک مذہب ہی ہے جو انسان کی روح کو وہ سرور و اطمینان دے سکتا ہے جو دولت و اسباب کے انبار نہیں دے سکتے۔ انسان کی موجودہ ذہنی و روحانی کشمکش کی بنیادی وجہ خود غرضی ہے جو مادیت پرستی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ فرانس کا ملحد فلسفی رینان Renon اپنی ایک کتاب 'The History of Religions' میں خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ ”مادیت ایک فریب اور دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔ لہذا ہمیں لامحالہ مذہب کی اہمیت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔“

انسانی روح مذہب کا تقاضہ کرتی ہے جسے مادیت کے مقابلے میں روحانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیوں کہ سائنسی ایجادات اور مادی اسباب انسان کی روح کی تشنگی دور نہیں کر سکتے۔ روح کا بے قرار ہونا مذہب کی سب سے وزنی اور ٹھوس دلیل ہے۔ انسان مادی اعتبار سے خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اس کا روحانی وجود اس سے سکونِ قلب کی طلب پیدا کر کے اسے اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ سائنس انسان کی

مادی زندگی کو پرسکون بناتی ہے جو کائنات کی اشیاء میں غور و فکر کر کے اسے انسانی مفاد کے لیے بروئے کار لانے کا نام ہے، سائنس بول کر آپ سائنسی ایجادات بھی مراد لے سکتے ہیں، لیکن سائنس بذاتِ خود ایک فکر کا نام ہے، جو گزشتہ زمانے میں حاصل ہونے والی اپنی ابتدائی ترقی و کامیابیوں کے زعم میں چند داخلی و خارجی امور کے سبب مذہب و تصورِ خدا سے ٹکرا گئی تھی۔ لیکن اب ہر سطح پر یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ مذہب اور سائنس کا الگ الگ میدان ہے، یہ آپس میں متعارض و متصادم نہیں ہیں۔

سائنس کا مذہبی امور میں کوئی دخل نہیں ہے جب کہ مذہب کا سائنسی معاملات میں تعمیری اور مثبت دخل ضرور ہے۔ جو عرصہ دراز کے مسلسل تجربوں اور مشاہدوں سے ثابت ہو چکا ہے۔ لہذا دونوں میں ٹکراؤ اور تصادم کی کیفیت کا پیدا ہو جانا ناممکن ہے، چنانچہ فیلڈ مارشل سمٹس۔ فلسفہ کی بلند پایہ کتاب ہولزم (Holism) کا مصنف کہتا ہے: ”صدائت کی مخلصانہ جستجو اور نظم و حسن کے ذوق کے اعتبار سے سائنس مذہب اور فن کے اوصاف سے حصہ لیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ شاید سائنس ہمارے اس عہد کے لیے خدا کی ہستی کی واضح ترین نقاب کشائی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نوعِ انسانی کو جو کارہائے نمایاں سرانجام دینے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہو گا کہ وہ سائنس کو اخلاقی قدروں کے ساتھ ملحق کرے گی اور اس طرح سے اس بڑے خطرے کا ازالہ کرے گی جو ہمارے مستقبل کو درپیش ہے۔“

سائنس کے نظریات ظنی ہوتے ہیں، ان کو یقین کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، چونکہ ان کا وجود مشاہدات اور تجربات کی بنا پر ہوتا ہے اس لیے یہ آئے روز بدلتے رہتے ہیں، جب کہ مذہبی نظریات قطعی ہوتے ہیں جن میں تبدیلی کا امکان نہیں ہوتا، اس لیے سائنس سے مذہب کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ ایک ظنی اور تبدیل

ہونے والی چیز ایک قطعی اور مستقل چیز کے ثبوت کے لیے دلیل نہیں بن سکتی، بالفرض اگر ہم آج سائنس کو مذہب کی دلیل بنالیں لیکن جب کل کو سائنس کا نظریہ تبدیل ہو گا تو اس سے مذہب کے اس نظریے کا غلط ہونا لازم آجائے گا جسے کل تک ہم مستقل اور غیر مبدل مان رہے تھے۔

مذہب (اگر یہاں مذہب کے بجائے قرآن کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے) خدا کا نازل کردہ ہوتا ہے، جسے خدا انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تشکیل دیتا ہے اس لیے اس کے نظریات میں تبدیلی ممکن نہیں جب کہ سائنسی نظریات انسانوں کے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں وجود پاتے ہیں۔ اس لیے یہ بدلتے رہتے ہیں۔

سائنس کے نظریات اور مفروضات حتمی نہیں ہوتے بلکہ علم کی ترقی کے ساتھ ان میں ترمیم و اضافہ یا ان کے بالکل بدل جانے کا امکان موجود رہتا ہے۔ سائنس کے سامنے جب کسی مسئلے پر کافی مواد جمع ہو جاتا ہے اور اس سے کسی حقیقت تک پہنچنے کا گمان ہوتا ہے تو قیاس یا مفروضہ جنم لیتا ہے۔

پھر جب بہت سے سائنسدان اس پر بہت سے ثبوت دیکھ کر اسے تسلیم کر لیتے ہیں تو اسے تھیوری کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر جب طویل عرصے تک اس کے ثبوت دنیا میں پہنچتے رہتے ہیں اور اکثر سائنسدان اس سے اتفاق کر لیتے ہیں تو اسے قانون کا درجہ دیا جاتا ہے۔ پھر یہ قانون اس درجے کا نہیں ہوتا جسے حتمی کہا جاسکے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے امکان کو مسترد کر دیا جائے، بلکہ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ ایک قانون کو بعد کی تھیوری نے بدل کر رکھ دیا۔

لہذا ایک مسلمان کے شایان نہیں کہ وہ قرآن کے یقینی نصوص کو انسان کے غیر یقینی نظریات پر محمول کرے۔

کم علمی اور جہالت

کھ..... مولانا محب اللہ جان عظیم

دین کی اہم اہم تعلیمات اور اسلامی عقائد و نظریات کے علم سے لاعلم ہونا بھی انسان کی فکری گمراہی کا ایک اہم، بنیادی اور تاریخی سبب ہے، ہمیشہ سے شیطانی قوتوں نے انسانی جہالت سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اسے جادہ حق سے ہٹانے کی بھرپور کوششیں کیں، انسان کو جاہل پاکرا سے گمراہ کرنا شیطانی قوتوں کیلئے سب سے آسان ذریعہ ہے بنسبت اس شخص کے گمراہ کرنے کے کہ جس کے پاس شریعت کا علم ہے۔ آج بھی مسلمانوں میں جتنے لوگ فکری گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہیں جو دین کی مکمل تعلیمات اور بعض اہم اہم حقائق سے لاعلم ہیں، جب انہیں تصویر کا ایک ہی رخ دکھایا جاتا ہے تو کم علمی کی وجہ سے وہ بس اسی پر اکتفا کرتے ہوئے دوسری تمام تر تعلیمات کا انکار کر لیتے ہیں اور یہی کم علمی ان کی فکری گمراہی کا سبب بنکر حق کی دریافت میں عظیم رکاوٹ بن جاتی ہے۔

جس طرح جہالت انسان کی فکری گمراہی کا بنیادی اور حقیقی سبب ہے اس طرح تاریخی سبب بھی جسے قرآن مقدس بہت ہی احسن انداز میں بیان فرمایا: قرآن مقدس نے نصاریٰ کے لئے ضالین کا لفظ استعمال کیا کیونکہ گمراہ اس کو کہتے ہیں جسے صحیح راستہ کا علم نہ ہو اور نصاریٰ کی خصلت تھی کہ وہ لاعلمی کی وجہ سے دین کے قوانین اور دینی شخصیات کی قدر و منزلت میں انتہائی غلو کا شکار ہو چکے تھے اسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مقدس نے نصاریٰ کی ضلالت میں جہالت اور لاعلمی ہی کو بنیادی و تاریخی سبب قرار دیا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان بسا اوقات علم کی وجہ سے بھی گمراہ ہو جاتا ہے جیسے یہود علم رکھنے کے باوجود گمراہ ہوئے اور اس دور میں بھی اسکی مثالیں ملتی ہیں مگر یہ ہزاروں میں کوئی ایک ہوتا ہے مگر انسانوں کی اکثریت کم علمی اور جہالت ہی کی وجہ سے فتنہ انگیزوں کے ہاتھ چڑھ جاتی ہے۔

ایک اہم نکتہ:

بعض اکابر رحمہم اللہ فرماتے ہیں امت میں جو عالم بگڑے گا اس میں یہود کی مشابہت ہوگی کیونکہ یہود بھی باوجود علم کے گمراہ ہوئے تھے اور جو شخص علم کے باوجود بگڑ گیا وہ غضب خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے اس لیے یہود کے لیے مغضوب علیہم کا اعلان کیا اور جو عابد (لا علم) بگڑے گا اس میں نصاریٰ کی مشابہت ہوگی۔

اس وقت اس موضوع پر سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ انسان اکثر لاعملی ہی کی وجہ سے فکری گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے مگر مشت نمونہ خرد کے طور پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(1) اس دور کے جتنے بھی خواہش پرست فرقے ہیں ان سب کا مشترکہ نقطہ نظر یہی ہے کہ تصویر کے اس ایک ہی رخ پر اکتفا کیا جائے جو ان کی خواہشات اور مزمومہ نظریات کے مطابق ہو۔ اور تصویر کا دوسرا رخ اور اسلام کی وہ تعلیمات جو ان کی خواہشات اور خود ساختہ نظریات کے خلاف ہو ان سے اپنے جاہل طبقہ کو بیزار اور لاعلم رکھا جائے اور خود اس کا کسی بھی طریقہ سے انکار کر دیا جائے۔

احقر کا ان فرقوں سے متعلق جتنے بھی افراد سے ملاقات ہوئی سب کا یہی حال ہے ان کو اپنے مزمومہ نظریات کے متعلق دلائل تو یاد کرائے جاتے ہیں اور دوسرے رخ کا سرے سے ہی منکر بنادیا جاتا ہے۔ اور اس کا اس طریقے سے انکار کرتے ہیں جیسا

کہ یہ اسلام کا حصہ ہی نہیں اب اس پر دو مثالیں بھی پیش خدمت ہیں:

(2) منکرین فقہ جب کسی کو ”رفع الیدین“ کی حدیث دکھاتے یا بتلاتے ہیں تو ترک والی حدیث سے انہیں لاعلم رکھا جاتا ہے یہی وجہ ہے جب اس کو ترک والی حدیث کے متعلق آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ اس کو حدیث ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے۔

(3) منکرین دم و تعویذ کا بھی یہی حال ہے جو صرف ان چند احادیث پر اکتفا کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے مطابق ہو گو کہ وہ منسوخ ہوں یا ان کا منشا کچھ اور ہو۔ دم، تعویذ، اور شفاء بالقرآن والسنۃ کے متعلق تمام تر احادیث اور روایات سے انہیں مکمل طور پر لاعلم رکھا جاتا ہے۔

(4) اسی طرح جن لوگوں کو عقیدہ شفاعت کے صحیح تصور اور جائز صورتوں کا علم نہیں وہ منکرین حدیث کے خود ساختہ دلائل سے متاثر ہو کر اس عقیدے کے منکر ہو جاتے ہیں۔

اب یہی کم علمی، لاعلمی ان کیلئے فکری گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس کم علمی کی وجہ سے وہ ان تمام تر احادیث کا انکار کر لیتے ہیں جن سے دم و تعویذ کے متعلق امور کا پتہ چلتا ہے۔ اور اسی طرح بہت سے مسلمان مسلمہ عقائد و نظریات کے منکر ہو کر ان کی گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت جتنے بھی مسلمان ان ہوئی پرست فرقوں کے باطل نظریات سے متاثر اور مرعوب ہو رہے ہیں ان سب کا یہی حال ہے کہ انہیں تصویر کا ایک ہی رخ دکھا کر اپنا ہمنوا بنالیا جاتا ہے۔ جبکہ لاعلمی اور کم علمی کی وجہ سے وہ دوسرے رخ کے مکمل منکر اور باطل نظریات کا خوب شکار ہو جاتے ہیں اور وہ بہت سی قرآن و سنت کی تعلیمات کے منکر ہونے کے باوجود خود کو ہدایت یافتہ تصور کرتے ہیں اور انہیں اپنی گمراہی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ لاعلمی اور جہالت کی وجہ

سے فکری گمراہی کا شکار ہو جانا ایک فطری حقیقت بھی ہے جسے قرآن مقدس نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے مثلاً شیطان نے بھی کہا تھا: **وَلَا غَوَيْنَهُمُ الْجِنَّةُ وَالنَّاسُ**۔ عبادك منهم المخلصين۔ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا مگر ان میں جو مخلص بندے ہیں (وہ گمراہی سے بچے رہیں گے) یعنی بصیرت اور فہم رکھنے والے، ہدایت اور گمراہی کے اسرار و موز جاننے والے اور شیطانوں کی چالوں کو سمجھنے والے اس کی گمراہی اور دھوکہ دہی کے جال میں نہیں پھنس سکیں گے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ میں بھی یہی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ انسان اکثر اپنی کم علمی کی وجہ سے ہی فکری بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے اور جس کے پاس شریعت کا صحیح اور مکمل علم ہوتا ہے شیطانی قوتیں اسے گمراہ کرنے میں اکثر کامیاب نہیں ہو سکتی ہیں: حدیث مبارک: **عَلَّمَ دِينَ جَانِّهِ وَالْإِنِّجَاتِ پَائِئِ گ۔ عَن عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: سَيَصِيبُ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ بَلَاءٌ شَدِيدٌ لَا يَنْجُو مِنْهُ إِلَّا رَجُلٌ عَرَفَ دِينَ اللَّهِ وَصَدَّقَ بِهِ۔**

ترجمہ: ”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کو اخیر زمانہ میں سخت مصیبت کا سامنا ہو گا اس میں صرف وہ شخص نجات پائے گا جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو ٹھیک ٹھیک پہچانا۔“

فائدہ: یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ دین کے متعلق صحیح معلومات (علم) رکھنے والا ہی ان مصائب اور فتنوں سے نجات پاسکے گا اور جس کے پاس ادھوری معلومات، یا جو دین کی معلومات اور علم سے جاہل ہو گا وہ شخص اپنی لاعلمی کی وجہ سے ان باطل فرقوں کے خود ساختہ دلائل سے اس قدر متاثر ہو گا کہ ان کے باطل افکار کو ہی حق سمجھ کر تسلیم کر لے گا اور یوں وہ ان کے فریب کا مکمل شکار ہو کر راہ حق کو کھو بیٹھے گا۔

قرآن و سنت کی ان تعلیمات اور دور حاضر کو سامنے رکھ فکری گمراہی سے بچنے کے لیے کرتیں ہی باتیں سمجھ آتی ہیں :

(1) انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے دین کی مکمل تعلیمات کا علم حاصل کرے، بالخصوص اسلام کے عقائد و نظریات سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرے تاکہ لاعلمی کی وجہ سے کوئی اسے صحیح عقیدہ و نظریہ سے منحرف نہ کر سکے۔

(2) اگر انسان کے پاس خود علم نہیں تو کم از کم اہل علم سے تعلق رکھے اگر وہ خود جاہل ہے تو اہل علم پر اعتماد رکھے نہ کہ خود ہی اپنی عقل اور ناقص فہم کو اپنا راہنما بنائے اگر انسان نابینا ہو مگر بینا کی صحبت اختیار کرے گا تو نقصان سے بچ سکے گا۔

(3) جن فطری ذرائع سے ہم تک دین کا علم پہنچا ہے انہی کو اپنے دین فہمی کیلئے استعمال کیا جائے اور دین فہمی کے حوالے سے انہی پر اعتماد کیا جائے مثلاً منبر و محراب، خانقاہ و مدرسہ، علماء و فقہاء نہ کہ دجالی میڈیا کو اپنی دین فہمی کا ذریعہ بنایا جائے۔

توجہ فرمائیں !!!

دفتر رسائل و جرائد کی طرف سے گزارش ہے کہ جن قارئین خریدار اور ایجنسی ہولڈرز کی سالانہ فیس پوری ہو چکی ہے یا ان کے ذمہ سابقہ رقم واجب الادا ہے وہ جلد از جلد اپنی رقم جمع کرائیں۔ تاکہ رسائل کو بلا تعطل اور بروقت روانہ کیا جاسکے۔ امید ہے کہ آپ ضرور شفقت والا معاملہ فرمائیں گے۔

فون نمبر: 03326311808

واٹس ایپ: 03062251253

کیا تعویذ پہننا شرک ہے؟

کھ..... مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

ہر انسان کے ذمہ کچھ دنیا کی ذمہ داریاں ہیں اور کچھ آخرت کی اس لیے ہم جو کام موت سے پہلے کی زندگی کیلئے کرتے ہیں ان کاموں کو دنیا کے کام کہا جاتا ہے اور جو کام موت کے بعد آخرت کی زندگی کیلئے کرتے ہیں ان کو دین کا کام کہا جاتا ہے۔

مثلاً ہم ارکان اسلام پر عمل کرتے ہیں تاکہ آخرت کا گھر آباد ہو جائے اس لیے ان کو دین کا کام اور ان کے احکام کو دینی احکام کہا جاتا ہے۔ دینی احکام کا ماخذ قرآن و سنت اجماع و قیاس ہیں۔ ہم روزمرہ کے جتنے دنیاوی کام کرتے ہیں مثلاً کھیتی باڑی، تجارت، سیر و سیاحت، کھیل کود وغیرہ تو صحت و تندرستی سے کرتے ہیں یا کبھی ہمیں بیماری بھی گھیر لیتی ہے اس کے لیے ہم دوائی لیتے ہیں یا دم تعویذ وغیرہ کراتے ہیں ان سب امور کا نفع یا نقصان موت سے پہلے والی زندگی کے لیے ہے۔ اور یہ سب دنیاوی کام ہیں دوائی، دم اور تعویذ وغیرہ طریق علاج ہیں۔ جس طرح بخار کی دوا کے لیے اس کا نسخہ، وزن، ترکیب استعمال اور پریز کا دلائل اربعہ میں مکمل تفصیلات کا مذکور ہونا ضروری نہیں اس طرح بخار کے دم اور تعویذ کا بھی قرآن پاک میں مذکور ہونا ضروری نہیں۔ جس طرح بعض بیماریوں کی دواؤں کا ذکر بعض احادیث میں ہے لیکن بہت ساری دواؤں کا ذکر احادیث میں نہیں ملتا اس طرح بعض دم و تعویذ احادیث میں مذکور ہیں بعض مذکور نہیں۔

باقی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی بھی شخص اس نیت اور غرض کے لیے تعویذ نہیں پہن لیتا کہ پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزر جائے۔ نہ اس لیے

تعویذ پہنتا ہے کہ منکر نکیر کے سوالات کا جواب آسان ہو جائے اور نہ ہی دوزخ سے بچنے کا تعویذ مانگتا ہے۔ جب دوا اور دم دنیوی طریقہ علاج ہیں تو دنیاوی امور کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تابیر نخل کے قصہ کے ضمن میں یہ قاعدہ ارشاد فرمایا ہے کہ انتہ اعلہ بامر دنیا کہ۔ (صحیح مسلم ج 1 ص 264)

کہ تم لوگ اپنے دنیاوی امور کو اپنے تجربات کی بنیاد پر بہتر سمجھتے ہو۔ اس حدیث مبارک میں ثابت ہو گیا کہ دنیاوی امور کی مکمل تفصیلات کا ادلہ اربعہ میں مذکور ہونا ضروری نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کتاب و سنت کی صحیح تفسیر و تشریح اسلاف اور خدائی انعام یافتہ طبقات کا متواتر عمل ہے ہر وہ تفسیر و تشریح جو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں کی تشریح و عمل کے خلاف ہو وہ قابل تردید ہے۔ دم اور تعویذ وغیرہ کا جواز قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

1: قرآن پاک میں ہے و نزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمومنین۔ (سورۃ بنی اسرائیل)

اور ہم نے قرآن نازل کیا جو کہ مومنین کے لیے سراپا شفا اور رحمت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین دوا قرآن ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

دم کرنا اور تعویذات لکھ کر استعمال کرنا امت کے تو اتر سے ثابت ہے 1: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تعویذات لکھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 12 ص 75 ابوداؤد ج 2 ص 543)

2: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بچے کی پیدائش کے لیے دو آیات قرآنی لکھ کر دیتے تھے کہ ان کو دھو کر مریضہ کو پلا دو (مصنف ابن ابی شیبہ ج 12 ص 60)

بلکہ طبرانی شریف میں اس حدیث کے بعض الفاظ یوں بھی ملتے ہیں کہ کچھ پانی اس کے پیٹ اور منہ پر چھڑک دو۔

3: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس کی قائل تھیں کہ پانی میں تعویذ ڈال کر وہ پانی مریض پر چھڑکا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 12 ص 60)

4: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ قرآنی آیات کو لکھ کر ڈرنے والے مریض کو پلائی جائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 12 ص 74)

5: حضرت سعید بن مسیب کے ہاں چھڑے میں مڑھ کر تعویذ پہننا جائز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 12 ص 74)

6: حجاج بن اسود کہتے ہیں میں نے مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاء سے اس بارے میں پوچھا تو وہ فرمانے لگے ہم نے تو نہیں سنا کہ کوئی اس کام کو مکروہ کہتا ہو۔ ہاں تمہارے بعض عراقی مکروہ کہتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 12 ص 60)

7: امام باقر رحمہ اللہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ قرآن کریم کی آیات چھڑے پر لکھ کر لٹکایا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 12 ص 74)

8: خود غیر مقلد علماء میں سے محترم داؤد غزنوی، سید ابو بکر غزنوی، نواب صدیق حسن خان، مفتی ابوالبرکات احمد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبدالرحمان مبارکپوری، حکیم صادق سیالکوٹی، میاں نذیر حسین دہلوی سمیت غزنوی، لکھوی، گیلانی، قلعوی اور روپڑی خاندان کے نامی گرامی حضرات تعویذات و عملیات کے نہ صرف جواز کے قائل تھے بلکہ خود بھی بڑے عامل تھے۔ چنانچہ سید نذیر حسین دہلوی سے سوال ہوا کہ گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب میں فرماتے ہیں: تعویذ نوشتہ در گلو انداختن مضائقہ ندارد۔ مگر اشہر و

اصح جواز است۔ (فتاویٰ نذیریہ ج 3 ص 298)

لکھے ہوئے تعویذ کو گلے میں لٹکانا درست ہے کوئی حرج کی بات نہیں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ جائز ہے۔

اس فتویٰ کی تائید غیر مقلدین کے محدث مولانا عبدالرحمان مبارکپوری لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بالغ لڑکوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے کلمات یاد کراتے تھے اور نابالغ لڑکوں کے لیے ان کلمات کو ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔ (ابوداؤد ترمذی) مزید لکھتے ہیں کہ شرح حدیث اس روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ جس تعویذ میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو یا قرآن کی کوئی آیت یا کوئی دعا ماثورہ لکھی ہوئی ہو ایسے تعویذ کا بالغ لڑکوں کے گلے میں لٹکانا درست ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج 3 ص 299)

تمیمہ والی حدیث کا صحیح مطلب:

مکرمین تعویذ غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں اس میں تمیمہ سے منع کیا گیا ہے یہ زمانہ جاہلیت میں دعا اور دوا کے علاوہ نقصان سے بچنے کا ایک مزعومہ طریقہ تھا۔ تمیمہ درحقیقت ایک منکا ہوتا تھا جس کو مریض کے گلے میں لٹکایا جاتا تھا اور وہ لوگ تمیمہ کو نقصان سے بچنے کے لیے مستقل موثر بالذات اور علت تامہ قرار دیتے تھے۔ جو کہ شرک کے ضمن میں آتا ہے اس لیے اسلام نے اس سے منع کر دیا۔ تعویذات کو تمیمہ قرار دے کر تمیمہ کا حکم لگانا درست نہیں۔ یہ حدیث پاک کی ایسی غلط تشریح ہے جو مزاج نبوت اور اسلاف کی تعبیرات سے میل نہیں کھاتی۔ اس لیے اس تشریح کا سرے سے کوئی اعتبار ہی نہیں۔

معلوم ہوا کہ دم، جھاڑ، تعویذ کو شرک کہنا کم علمی اور جہالت ہے۔

کھ الشیخ محمد نواز الحذیفی حفظہ اللہ

قسط نمبر 3:

عربی خطبہ جمعہ مقامی زبان میں... علمی و تحقیقی تجزیہ

احادیث مبارکہ سے خطبہ جمعہ کے ذکر ہونے کا ثبوت:

حدیث چونکہ قرآن کریم کی تفسیر ہے اس لیے اس موقع پر احادیث مبارکہ سے استفادہ بھی مذکورہ مسئلہ کو سمجھنے میں نہایت مفید ثابت ہوگا، کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خطبہ جمعہ پر ذکر کا اطلاق فرمایا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر 1:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان يوم الجمعة وقفت الملائكة على باب المسجد يكتبون الأول فالأول ومثل المهجر كمثل الذي يهدي بدنة ثم كالذي يهدي بقرة ثم كبشاً ثم دجاجة ثم بيضة وإذا خرج الإمام طووا صحفهم يستمعون ذلك۔

(بخاری شریف ج 1 ص 127 قدیمی کتب خانہ کراچی باب الاستماع الی الخطبہ)

حدیث مذکور کا ترجمہ غیر مقلد عالم مولوی وحید الزمان سے ملاحظہ فرمائیں، چنانچہ لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے کیا کرتے ہیں (جامع) مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر (نمازیوں کے نام) لکھتے ہیں، جو پہلے آتا ہے اس کو پہلے جو بعد آتا ہے اس کو بعد اور جو کوئی سویرے جاتا ہے اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو اونٹ قربانی کرے پھر ایسے کی جو گائے قربانی کرے پھر ایسے شخص کی جو مینڈھا پھر ایسے کی جو مرغی پھر ایسے کی جو انڈا پھر جب امام (خطبہ کے لیے) نکلتا ہے تو وہ اپنی بہیاں لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ کان لگا کر سکتے ہیں۔

پھر اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ کے اس حدیث کو لانے کی غرض بیان کرتے ہوئے وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس سے یہ نکالا ہے کہ نمازیوں کو بھی خطبہ کان لگا کر سننا چاہیے، کیوں کہ فرشتے بھی کان لگا کر سنتے ہیں۔ (تیسیر الباری شرح صحیح بخاری ج 1 ص 569 ناشر امجد اکیڈمی لاہور)

معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں الذکر سے مراد خطبہ جمعہ ہے، اسی وجہ سے اس کو خاموشی سے سننا واجب ہے۔

حدیث نمبر 2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَفَّلَ قَرَبَ بَدَنَةٍ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَفَّلَ قَرَبَ بَقَرَةٍ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَفَّلَ قَرَبَ كَبْشٍ أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَفَّلَ قَرَبَ دَجَاجَةٍ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَفَّلَ قَرَبَ بَيْضَةٍ فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ.

(صحیح بخاری ج 1 ص 121 باب فضل الجمعة)

غیر مقلد عالم مولوی عبدالستار حماد نے اس حدیث کا یوں ترجمہ کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح اہتمام سے غسل کرے، پھر نماز کے لیے جائے تو ایسا ہے جیسا کہ ایک اونٹ صدقہ کیا، جو دوسری گھڑی میں جائے تو اس نے گویا گائے کی قربانی دی، جو تیسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے سینگ دار مینڈھا صدقہ کیا، جو چوتھی گھڑی میں چلے تو اس نے گویا ایک مرغی صدقہ دی، اور جو پانچویں گھڑی میں جائے تو اس نے گویا ایک انڈہ اللہ کی راہ میں صدقہ کیا۔ پھر جب امام

خطبہ پڑھنے کیلئے جاتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے کے لیے مسجد میں حاضر ہو جاتے ہیں۔
موصوف فوائد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: جمعہ کے دن جلدی آنے کی
فضیلت عام لوگوں کے لیے ہے۔ امام کو چاہیے کہ وہ خطبہ کے وقت مسجد میں آئے جیسا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل تھا۔

(عون الباری ج 2 ص 15 بحوالہ مختصر صحیح بخاری مترجم ج 1 ص 329)

ثابت ہوا کہ غیر مقلد علماء بھی اس حدیث میں ذکر سے مراد خطبہ لیتے ہیں۔

حدیث نمبر 3:

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ احْضُرُوا الذِّكْرَ
وَأَذِنُوا مِنَ الْإِمَامِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَأَكْبَرُ أَلْ يَتَّبَعِدُ حَتَّى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا.

(سنن ابی داؤد ج 1 ص 165 ناشر مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا: خطبہ کے وقت حاضر ہوا کرو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھا کرو
اس لیے کہ آدمی کے مسلسل دور رہنے سے وہ جنت میں پیچھے رہ جاتا ہے اگرچہ آخر کار
اس میں داخل ہو گا۔

نیز یہ روایت سنن کبریٰ بیہقی میں بھی موجود ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے
اس پر یوں باب قائم کیا ہے: ”باب الدنو من الامام عند الخطبة“ خطبہ کے وقت
امام کے قریب بیٹھنے کا باب۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج 3 ص 238 ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)
اس کے علاوہ خطبہ سننے کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی کہ خطبہ جمعہ
کے وقت مقتدی حضرات اپنے چہروں کا رخ امام کی طرف پھیر لیں، امام بیہقی رحمہ اللہ
نے اس مسئلہ کی وضاحت میں جو روایات ذکر کی ہیں ان کے شروع میں یہ باب قائم کیا

ہے: باب يحول الناس وجوههم الى الامام ويسمعون الذکر۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج 3 ص 198)

ثابت ہوا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ذکر سے مراد خطبہ جمعہ لیتے ہیں۔

حدیث نمبر 4:

ثنا أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقوم يوم الجمعة فيسند ظهره إلى جذع منصوب في المسجد فيخطب فجاء رومي فقال: ألا نصنع لك شيئاً تقعد وكنك قائم؟ فصنع له منبراً له درجتان ويقعد على الثالثة فلما قعد نبي الله صلى الله عليه وسلم على المنبر خار الجذع خوار الثور حتى ارتج المسجد بخواره حزناً على رسول الله صلى الله عليه وسلم فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم من المنبر فالتزمه وهو يخور فلما التزمه رسول الله صلى الله عليه وسلم سكت ثم قال: والذي نفسي بيده لو لم التزمه ما زال هكذا حتى تقوم الساعة حزناً على رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فدفن يعني الجذع. وفي خبر جابر فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن هذا بكي لما فقد من الذکر. (صحیح ابن خزیمہ مترجم ج 3 ص 281، 282)

غیر مقلد عالم مولوی محمد ادریس سلفی صاحب اس حدیث کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوتے تو مسجد میں نصب شدہ (درخت کے) تنے سے ٹیک لگا لیتے اور پھر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، چنانچہ ایک رومی شخص آیا اور کہنے لگا کیا ہم آپ کے لیے ایسی چیز نہ بنادیں جس پر آپ بیٹھ سکیں اور کھڑے ہو سکیں (اس طرح بیٹھ سکیں گویا کہ آپ لوگوں کو کھڑے نظر آئیں) پس اس شخص نے آپ کے لیے منبر بنادیا جس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسری سیڑھی پر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف فرما ہوتے تھے، سو جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو تنے نے بیل کی طرح آواز نکالنا شروع کر دی یہاں تک کہ مسجد میں اس کے رونے کی آواز سے گونج پیدا ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کی وجہ سے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر اس کے پاس تشریف لائے اور اسے چمٹا لیا وہ برابر رو رہا تھا، اور آواز نکال رہا تھا، پس جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے چٹ گئے تو وہ خاموش ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس تنے سے نہ چمٹتا تو قیامت تک یہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روتا رہتا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے کر اس تنے کو دفن کروادیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تنا ذکر الہی کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے رویا اور یہی وجہ اس کے مغموم ہونے کا باعث بنی۔ غور فرمائیں! نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے وقت درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے تھے، اس وقت درخت کا تنا بھی خطبہ جمعہ میں موجود ذکر سے تسکین پاتا تھا لیکن جب منبر کے بننے کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تو درخت کا تنا خطبہ جمعہ میں موجود ذکر سے محروم ہو گیا اس پر اس نے رونا شروع کیا۔ یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ خطبہ جمعہ کی حقیقت ذکر اللہ ہے۔ اور بخاری شریف میں یہ الفاظ مروی ہیں: بکت علی ما کانت تسبیح من الذکر۔

(صحیح بخاری باب النجار)

تنے کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ذکر سنا کرتا تھا، بہر حال ثابت ہوا کہ خطبہ جمعہ کی حقیقت اور اس سے مقصود ذکر اللہ ہے۔ (..... جاری ہے)

احکام عقیقہ

عقیقہ کی حیثیت:

عقیقہ کرنا ایک مستحب عمل ہے اسے فرض، واجب سمجھنا اور ضروری خیال کرنا درست نہیں۔

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واما اخذ اصحابنا الحنفية في ذلك بقول الجمهور وقالوا باستحباب العقيقة۔

(اعلاء السنن ج 17 ص 114 باب العقیقہ)

ترجمہ: عقیقہ کے بارے میں ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ نے جمہور حضرات کے موقف کو اختیار کیا ہے اور جمہور عقیقہ کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی عقیقہ کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

(فیض الباری شرح صحیح بخاری ج 4 ص 337 کتاب العقیقہ)

عقیقہ کرنے کا صحیح طریقہ:

پیدائش کے ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے سر منڈایا جائے بالوں کے ہم وزن سونا یا چاندی صدقہ کیا جائے، اور اس کے ساتھ ساتھ عقیقہ کا جانور ذبح کیا جائے۔ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو چودھویں دن ورنہ اکیسویں دن کیا جائے۔ اس کے بعد بھی اگر کرنا ہو تو تبت بھی پیدائش سے ساتویں دن کی رعایت کر لی جائے۔ مثلاً سات ہفتے، سات مہینے، یا سات سال کا حساب لگایا جائے تاہم اتنا ضرور یاد رہے کہ سات والے عدد کی رعایت رکھنا بہتر ہے، لازمی نہیں۔

عقیقہ کے چند مسائل:

1: جن جانوروں کی قربانی جائز ہے ان کا عقیقہ کرنا بھی جائز ہے۔ جیسے بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ۔

کچھ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بڑے جانوروں سے عقیقہ کرنا صحیح نہیں ان کا یہ کہنا ہرگز قابل عمل نہیں مذہب حنفی سمیت باقی تینوں مذاہب (مذہب مالکی، مذہب شافعی اور مذہب حنبلی) میں بھی اس بات پر متفق ہیں کہ چھوٹے جانوروں کی طرح بڑے جانوروں کا عقیقہ کرنا جائز ہے۔

فقہ حنفی:

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفي قوله من له غلام، فليعق عنه من الابل او البقر او الغنم - دليل على جواز العقيقة ببقرة كاملة او ببدنة كذلك۔ (اعلاء السنن ج 17 ص 117)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس آدمی کا لڑکا پیدا ہو تو وہ اونٹ یا گائے یا بکری سے اس کا عقیقہ کرے یہ ارشاد مبارک ایک پوری گائے یا ایک پورا اونٹ سے عقیقہ کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

فقہ مالکی:

شرح مختصر الخلیل میں ہے:

قال ابن رشد ان البقر تجزء ايضاً في ذلك وهو الاظهر قياساً على الضحايا۔ (مواهب الخلیل ج 3 ص 255)

ترجمہ: علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ عقیقے میں گائے بھی کفایت کرتی ہے اور یہی بات ظاہر تر ہے، قربانیوں پر قیاس کرتے ہوئے۔

فقہ شافعی:

امام نووی رحمہ اللہ المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

المجزء فی العقیقة هو المجزء فی الاضحية فلا تجزء دون المجذعة من الضان
والثنية من المعز والابل والبقر هذا هو الصحيح المشهور۔

ترجمہ: عقیقے میں بھی وہی جانور کفایت کرے گا جو قربانی میں کفایت کرتا ہے اس لیے جذعہ سے کم عمر کا دنبہ اور شنی (دودا) سے کم عمر کی بکری اونٹ اور گائے جائز نہیں۔ یہی صحیح اور مشہور روایت ہے اور جمہور نے اس کو قطعیت کے ساتھ لیا ہے۔

فقہ حنبلی:

الروض المرلج میں ہے:

وحکمها فیها یجزی و یکرہ کلاضحية الا انه لا یجزء فیها
شرك فی دمہ، فلا تجزء بدنة ولا بقرة الا كاملة۔

(الروض المرلج بحوالہ اوجز المسالک ج 9 ص 265)

ترجمہ: عقیقے میں کون کون سے جانور جائز ہیں؟ اور کیا کیا امور مستحب ہیں؟ اور کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟ ان تمام امور میں عقیقے کا حکم قربانی کی طرح ہے البتہ اس عقیقے کے جانور میں شراکت جائز نہیں اس لیے اگر عقیقے میں بڑا جانور ذبح کیا جائے تو پورا جانور ایک ہی (بچہ) کی طرف سے ذبح کرنا ہوگا۔

ملحوظہ: مذکورہ بالا فقہی حوالہ جات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ چاروں مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بھیڑ، بکری کی طرح اونٹ اور گائے وغیرہ سے عقیقہ کرنا بھی جائز ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اکثر احکام میں عقیقہ اور قربانی کا حکم ایک جیسا ہے۔

2: جس طرح بڑے جانور میں قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں اسی طرح بڑے جانور میں عقیقہ کے بھی سات حصے ہو سکتے ہیں۔

3: قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے۔

4: لڑکی اور لڑکے کے عقیقہ میں جانور کے زرا اور مادہ ہونے کا فرق نہیں ہے

لڑکے کے عقیقہ میں بکری اور لڑکی کے عقیقہ میں بکرا ذبح کیا جاسکتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ لڑکے کیلئے دو بکرے افضل ہیں اور لڑکی کیلئے ایک۔ نیز اگر لڑکے کے عقیقہ کے لیے دو بکریوں کی وسعت نہ ہو تو ایک بکرے سے بھی عقیقہ کرنا درست اور جائز ہے۔

5: عقیقہ کی ادائیگی کے لیے جانور کو ذبح کرنا شرط ہے لہذا بازار سے گوشت خرید کر رشتہ داروں یا دوست احباب کی دعوت طعام کر دینے سے عقیقہ شمار نہ ہوگا۔

6: ایک بڑا جانور خرید کر اس میں چند حصے عقیقہ اور باقی بعض حصے ولیمہ کی نیت سے رکھے جائیں تو شرعاً یہ درست ہے۔

7: عقیقہ کا گوشت ایک تہائی مساکین کو تقسیم کر دینا افضل ہے باقی دو تہائی اقرباء و احباب کی ضیافت میں استعمال کیا جاسکتا ہے تاہم اگر تمام گوشت بھی ضیافت میں استعمال کر دیا جائے تو عقیقہ ہو جائے گا اگرچہ ایسا کرنا بہتر و افضل نہیں ہے۔

8: اگر کوئی اپنے دعوت ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرے تو شرعاً اس کی

گنجائش موجود ہے مگر ہمارے معاشرے میں اکثر دستور یہ ہے کہ دعوت ولیمہ کے بعد

نیوتہ دیا جاتا ہے جو کہ کھانے کا عوض اور بدلہ ہونے کے مشابہ ہے اس وجہ سے دعوت

ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنے سے بچنا چاہیے کیونکہ مسنون یہ ہے کہ عقیقہ کا

گوشت بغیر کسی عوض کے مفت میں کھلایا جائے۔ تاہم شادی کی ایسی تقریب جس میں

نیوتہ وغیرہ لینے کا رواج نہ ہو اس میں عقیقہ کا گوشت کھلانے میں مضائقہ نہیں۔

9: جس جانور کی قربانی جائز نہیں اس کا عقیقہ جائز نہیں جس کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔

10: عقیقہ کا گوشت خواہ کچا تقسیم کیا جائے، پکا کر بانٹا جائے یا دعوت کر کے کھلایا جائے، سب درست ہے۔

چند غلط فہمیاں:

1: عوام میں مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچے کے ماں باپ نہیں کھا سکتے یہ غلط بات ہے۔

2: عوام میں مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچے کے دادا دادی نہیں کھا سکتے۔ یہ غلط بات ہے۔

3: عوام میں مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچے کے نانا نانی نہیں کھا سکتے۔ یہ غلط بات ہے۔

4: یہ جو رواج ہے کہ جس وقت بچہ کے سر پر استر رکھا جائے اور حجام سر مونڈنا شروع کرے فوراً اسی وقت بکری ذبح ہو یہ محض فضول رسم ہے شریعت میں سب جائز ہے خواہ پہلے سر مونڈے پھر ذبح کرے یا پہلے ذبح کرے پھر سر مونڈے۔ یا کچھ وقت اور دنوں کے وقفے کے ساتھ عقیقہ کرے۔ عین سر مونڈنے کے وقت عقیقہ کے جانور کو ذبح کرنا اور اس بات کو ضروری خیال کرنا درست نہیں۔

5: جو جانور عقیقہ میں ذبح کیا جائے گوشت بناتے وقت اس کی ہڈیاں توڑی جا سکتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہڈیاں توڑنا منع ہے۔ ان کی یہ بات بے اصل ہے نوٹ: چند مسائل لکھ دیے ہیں اگر ان کے علاوہ کوئی مسئلہ پیش آئے تو مقامی علماء اور دارالافتاء سے رابطہ کریں۔

ایک اور مرد قلندر اس دارِ فانی کو الوداع کہہ گیا

بھ..... مولانا محمد اسرار نیل گڑنگی رحمۃ اللہ علیہ

چمکتی صورت اور دکتے کردار کے مالک کلاچی کے رہنے والے ایک ایسے مرد قلندر سے آج قارئین کرام کی ملاقات کروائی جا رہی ہے جن کے نام شہرہ عالم میں گونج رہا ہے وہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد تھے ان کی ملاقات کے لیے دل تڑپتا رہا مگر باوجود کوشش کے زیارت نہ ہو سکی اس بات کا تذکرہ ان کے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی اور ان کے نواسے حضرت مولانا یحییٰ احمد سے ہوتا رہا جب کہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت کے نواسے نے فون پہ گفتگو کروائی اور اس مرد مجاہد نے بڑی دعاؤں سے نوازا وہ زندگی بھر اسلام کے ترجمان بن کر رہے زبان اور قلم سے اسلام کا دفاع کرتے رہے آخری زندگی تک قرآن وحدیث کے خادم بن کر رہے میری مراد ممتاز عالم دین اور شیخ الحدیث مفسر قرآن حضرت مولانا قاضی عبدالکریم آف کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان فاضل دارالعلوم دیوبند ہیں آپ طویل عمر پا کر وفات پا گئے، مولانا یحییٰ احمد کی اطلاعات کے مطابق 11 بجے صبح بروز اتوار 9 اگست 2015 کو نماز جنازہ ہوا، نماز جنازہ حضرت مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی نے پڑھایا۔ مرحوم نے سیاسی وسماجی اور مذہبی خدمات سے دیش کو آباد رکھا، 10 بجے رات ہسپتال ڈیرہ اسماعیل خان میں وفات پائی مرحوم کو اللہ پاک نے 2 بیٹے اور 4 بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بیٹوں میں مولانا قاضی عبدالحلیم اور قاضی محمد نسیم ہیں، قاضی عبدالحلیم مرحوم حضرت کی زندگی ہی میں وصال فرما گئے جبکہ آپ کی اہلیہ محترمہ 4 سال پہلے وصال فرما گئیں قاضی عبدالکریم مرحوم قاضی محمد نجم

الدین مرحوم کے گھر 1918ء میں پیدا ہوئے، 1936ء کے اوائل میں 19 سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، مرحوم کے تین بھائی اور تھے، حضرت مولانا قاضی عبداللطیف، حضرت قاضی عبدالرشید، حضرت قاضی محمد اکرم۔۔۔ قاضی عبداللطیف مرحوم نے 2011ء میں وصال فرمایا، قاضی عبدالرشید 1988ء میں فوت ہوئے، قاضی محمد اکرم 2 سال پہلے قصال فرما گئے۔ حضرت کے وصال پر ان کے نواسے مولانا یحییٰ احمد عاصم اور حضرت کے جانشین حضرت مولانا قاضی محمد نسیم سے فون پر تفصیلی گفتگو ہوئی حضرت قاضی عبدالکریم صاحب کے وجود مسعود سے تو ہم لوگ مرحوم ہو گئے وہ اس ظاہری دنیا سے چلے گئے مگر ان کی برکات اور انوارات سے ہم سب لوگ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا فیض پاتی رہے گی۔۔۔ مرحوم قاضی عبدالکریم کے چھوٹے بھائی قاضی عبداللطیف صاحب مرحوم سے بارہا ملاقات ہوئی ہے، جامعہ حنفیہ جہلم میں اور پھر شریعت بل کے معرکہ میں ان تمام بزرگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی، خطیب اسلام حضرت مولانا اجمل خان یادگار اسلاف حضرت مولانا سمیع الحق نفاذ شریعت کی عظیم الشان کانفرنس جامع مسجد ناٹری مانسہرہ میں ہوئی جس میں کثیر تعداد میں علماء شریک ہوئے اس اجتماع میں یہ سب اکابر علماء کرام موجود تھے۔ بنگرام، مانسہرہ، اوگی، بالا کوٹ اور پورے علاقوں میں سوزو کی پر اعلان کا موقع ملا اور ان اکابر کی آمد کا اعلان میں ہی کرتا رہا۔ ماہنامہ القاسم اور دیگر رسائل میں حضرت مرحوم قاضی صاحب کے مضامین اور مکاتیب کریم بھی پڑھنے کا موقع ملتا رہا ہے، حضرت مرحوم کا راقم الحروف کے نام ایک یادگار مکتوب گرامی ماہنامہ القاسم میں شائع ہوا ہے جس میں حضرت نے ذرہ کو صحرا بنانے کی کوشش کی ہے، راقم

الحر وف کے بارے میں وہ کچھ لکھا کہ میں پڑھ کر پانی پانی ہو گیا، کہاں میں کہ من آنم کہ من دامنم، کہاں علم کا پہاڑ اور راسخ عالم دین و فاضل دارالعلوم دیوبند قاضی عبدالکریمؒ کہاں یہ مسافر مگر حضرت نے ذرہ نوازی کی انتہا کر دی ایسے الفاظ استعمال کیے جیسے کوئی بہت بڑا عالم دین ہوتا ہے اور جس کی بہت بڑی تحقیق ہوتی ہے میرا تو حال یہ ہے کہ جب کسی کی کتاب یا مضمون پڑھتا ہوں تو اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ یار عالم ایسا ہوتا ہے، علم ایسا ہوتا ہے، ادب ایسے ہوتا ہے تیرے اندر تو کوئی خوبی نہیں، پھر اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں اے اللہ! میرے اندر تو کوئی خوبی نہیں مگر جن تیرے اولیاء اللہ اور علماء حق کے دامن کو پکڑا ہے وہ بڑے لوگ ہیں۔ حضرت سے فون پہ دعا و سلام ہوتا رہا حضرت کا اپنا انداز تھا وہ صاحب علم عالم دین تھے افسوس ہے کہ اہل علم سے دنیا خالی ہو رہی ہے اور زمین کا پیٹ بھرا جا رہا ہے، حضرت کی وفات بھی اہل علم کے لیے بہت بڑا خلاء ہے جو پڑھتا ہوا نظر نہیں آتا۔ ان شاء اللہ موقع ملا تو حضرت مرحوم کی مجلس کے 100 پھول بھی لکھے جائیں گے۔ ہم حضرت مرحوم کے پورے خاندان اور لواحقین و شاگردانِ کرام سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اور حضرت مولانا عبد القیوم حقانی سے بھی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت مرحوم نے جامعہ مطلع العلوم کوئٹہ میں بھی تدریس کی اور وہاں ہی مرکزی مسجد میں خطبہ جمعہ، درس قرآن و حدیث بھی دیتے رہے اور وہاں سے ہی مدرسہ نجم المدارس کا اعلان کر دیا گیا اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد شروع کر دی گئی اس وقت مدرسہ نجم المدارس علاقہ کے بڑے مدارس میں شامل ہے حضرت کی خدمات تا دیر زندہ رہیں گیں۔

اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

ماہنامہ فقہ ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
ڈاکٹر تحسین اللہ	پشاور	03339217613
مولانا محمد نوید حنیف	آزاد کشمیر	03132317090
مولانا محمد شہباز	کبیر والا	03066310082
مولانا محمد صدیق	ڈیرہ غازی خان	03356351893
مولانا محمد عثمان	میانوالی	03336836228
مولانا عمر خطاب	اٹک	03077375075
رحمت اللہ	کوہاٹ	03449251287
مولانا خالد زبیر	فیصل آباد	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
محمد رئیس	ٹانک	03319143483
مولانا محمد دلاور	اداکاڑہ	03136969193
مولانا عبد اللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا عبد اللہ شہزاد	حافظ آباد	03212374824
عبد الوکیل عزیزی	سیالکوٹ	03338639255
ذوالقرنین حیدر	ڈیرہ اسماعیل خان	03343682508

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808